بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۴

شمارہ نمبر ۸، ۹

اگست، ستمبر ۲۰۲۰ء

August, September 2020

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پیر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- پانچ نبوی دعائیں، اہمیت ومعنویت ..... مفتی محمد عبداللہ قاسمی 8
- اپنی زبان کی حفاظت کیجئے ..... ابواحمد سکراوی 13
- کل من علیھا فان ..... غلام حقانی۔ٹولی چوکی 17
- دسترخوان اٹھانے کا نبوی طریقہ ..... محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی 19
- اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا! ..... محترم عبدالرشید طلحہ نعمانی 21
- حدیث رسول کے باب میں ہماری..... ..... محمد مجاہد بن محمد خلیل 24
- مسئلہ علم غیب ..... محترم یرید احمد نعمانی 30
- عورت: اسلام کے زیر سایہ ..... محمد رضی الاسلام ندوی 35
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 41-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ دین کا علم خود حاصل کریں اور دوسرے تک پہنچائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کا یہ فریضہ ہے کہ اس کو دین کی جو بات معلوم ہو وہ اپنے دوسرے بھائی بہن تک پہنچائے۔ مسلمانوں کے اندر جو آپسی جھگڑا اور نفرت وحسد پیدا ہوتا جارہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم اسلام کے اس سنہرے اصول اور حکم سے دور ہو گئے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرو۔ جو بھلائی تمہارے پاس ہے اس کو اپنے تک محدود نہ کرو بلکہ اپنے مسلمان بہن بھائیوں تک پہنچاؤ۔ جو اپنے لئے پسند کرو وہی اپنے بہن بھائی کے لئے بھی پسند کرو۔ جب تک مسلمان مرد وعورتیں اس سنہرے اصول پر عمل کرتے رہے خود بھی فائدہ میں رہے اور پوری امت مسلمہ فائدہ میں رہی، محبت، بھائی چارہ اور نیکی کا ماحول رہا اور مسلمان ہر لحاظ سے ترقی کرتے رہے پوری دنیا انہیں باعث رحمت وبرکت جانتی رہی اور ان کی قدر کرتی رہی۔ علم کی روشنی ہر طرف پھیلتی رہی، برائیوں سے مسلمان محفوظ رہے لیکن جب سے علم سے دوری ہوئی خودغرضی کی فضا قائم ہوئی حسد ولالچ کا شکار مسلمان ہونے لگے۔ آپسی بھائی چارہ کے بجائے ہر شخص اپنے فائدہ کے پیچھے بھاگنے لگا۔ قومی خیر خواہی کے بجائے نجی فائدہ کے لئے صحیح غلط ہر کام کرنے لگا تو وہ مسلمان جو پوری دنیا کے لئے باعث رحمت وبرکت تھے وہ دنیا پر بوجھ بن گئے اور ہر میدان میں بجائے ترقی کے تنزل کے راستہ پر دوڑنے لگے۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کریں اور علم دین پھیلانے کے لئے پوری تندہی کے ساتھ میدان عمل میں جدوجہد کریں اور مسلمانوں میں یہ نظریہ عام کریں کہ ہر مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔

امۃ اللہ تسنیم

اُونٹوں اور چوپاؤں کی گردن میں گھنٹہ باندھنے کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قافلہ میں کتا اور جرس (گھنٹی) (جرس گھنٹی اور گھنگھرو کو کہتے ہیں جو جانور وغیرہ کے گلے میں باندھی جاتی ہے اور وہ بجتی ہے) ہوتی ہے۔ فرشتے (رحمت کے فرشتے مراد ہیں) اس قافلے کے ساتھ نہیں ہوتے۔ (مسلم)

جلالہ اُونٹ پر سواری کرنے کی ممانعت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (جلالہ گندگی کھانے والا اونٹ۔ اس پر سوار ہونے سے منع کرنے کی حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کے پسینہ میں بدبو ہوتی ہے) اونٹ پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

مسجد میں تھوک اور کھنکار کی ممانعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا برا ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو مٹی میں دبا دیا جائے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسجدیں پائخانہ، پیشاب جیسی ناپاک چیزوں کے لئے نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ جل شانہٗ کا ذکر کرنے اور قرآن پاک پڑھنے کے لئے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا۔ (مسلم)

مسجد میں کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کرنے کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو کوئی چیز تلاش کرتے دیکھو تو کہو خدا کرے تجھ کو یہ چیز نہ ملے۔ (ترمذی)

تلاش کرنے والے کے لئے بددعا: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں تلاش کرتا ہوا پہنچا اور کہا کوئی سرخ رنگ اونٹ کا پتہ بتا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کرے تجھ کو نہ ملے۔ یہ مسجدیں جس کام کے لئے بنائی گئی ہیں اسی کے لئے ہیں۔ (مسلم)

مسجد میں شعر پڑھنے سے ممانعت: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں خرید وفروخت سے، گم شدہ چیز کے تلاش کرنے سے اور شعر (دُنیاوی اور تغزل اور دُنیاداروں کی مدح کے شعر، البتہ نعتیہ اشعار اور مناجات وغیرہ کبھی کبھی پڑھ سکتے ہیں مگر شعرخوانی کی جگہ نہ بنانا چاہئے) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت سائبؓ بن یزید صحابی سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص نے مجھے کنکری ماری۔ میں نے نگاہ پھیر کر دیکھا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ مجھ سے کہا ان دونوں شخصوں کو پکڑ لاؤ۔ میں پکڑ لایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم اس

شہر کے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا اس وجہ سے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کی ہے۔ (بخاری)

لہسن، پیاز یا کوئی بدبودار چیز کھاکر مسجد میں آنے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لہسن کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لہسن کھائے نہ وہ ہمارے قریب ہو، نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے۔ (بخاری، مسلم)

مسلم ایک ایک روایت میں ہے کہ جو شخص پیاز لہسن اور گندنا کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے، اس لئے کہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف (یعنی بدبودار چیز سے) ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا اے لوگو تم لہسن پیاز کھاتے ہو اور میں دونوں کو برا سمجھتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب کسی آدمی کے منہ سے اس کی بو آتی تو آپ اس کو نکال دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ بقیع تک چلا جائے۔ پس جس کو لہسن پیاز کھانا بھی ہو تو اس کو اتنا پکائے کہ اس کی بو مر جائے۔ (مسلم)

اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھانے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے جس کو قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری، مسلم)

ایک صحیح روایت ہے کہ جو شخص قسم کھانا چاہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو امانت (جیسے کوئی کہے کہ میری امانت یا میری دیانت کی قسم) کی قسم کھائے وہ ہم سے نہیں ہے یعنی ہمارے راستہ پر نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے جھوٹی بات پر قسم کھائی کہ اگر میں ایسا ہوں تو اسلام سے بری ہوں۔ تو اگر اس نے جھوٹ کہا تو حقیقت میں اسلام سے بری ہو گیا اور اگر سچ بولا ہے تو بھی اس کا دین سلامت نہیں رہا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو فرمایا اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھائے تو اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ (ترمذی)

گناہ کبیرہ: حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق خون کرنا اور جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں۔ (بخاری، مسلم)

سودا کرتے وقت قسم کھانے کی کراہت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے قسمیں کھاکر سودا بیچنے والوں کا سودا تو بک جاتا ہے لیکن اس کی کمائی کی برکت (یعنی بیچنے والا بار بار قسم کھائے گا کہ یہ چیز اتنے میں خریدی اور اتنی قیمت کی فلاں شخص مجھ سے خرید رہا تھا اس میں آدمی دھوکا کھا جاتا ہے اور چیز بک جاتی ہے لیکن اس مال میں برکت نہیں ہوتی) چلی جاتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

○○○

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

پانچ نبوی دعائیں، اہمیت و معنویت

دعا ایک بہترین عبادت ہے، تواضع و فروتنی کا عظیم مظہر ہے، خالق و مخلوق کے مابین تعلق و ارتباط کا وسیلہ ہے، مصائب اور پریشانیوں سے گلوخلاصی کے لئے نسخہ اکسیر ہے، جسے دعا جیسی قیمتی دولت میسر آ گئی گویا اسے دونوں جہاں کی فلاح و کامیابی حاصل ہوگئی، اللہ کی رضا و خوشنودی کا پروانہ اس کے ہاتھ آ گیا، یہ وہ شاہ کلید ہے جو سخت اور ناموافق حالات میں انسان کا مونس و غمخوار ثابت ہوتا ہے، اور مصائب کے ہجوم اور ستم گاریوں کے تلاطم میں ان کی مدد کرتا ہے، یہ وہ جوہر بیش بہا ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے فضل و رحمت کا خواست گار ہوتا ہے، اور اپنی زندگی کے سفر کو ترقی و کامیابی کی شاہراہ پر محو سفر رکھتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعاء مانگنے کا حکم دیا ہے، اور دعاء سے پہلو تہی کرنے والوں کے لئے بڑی وعید بیان کی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منھ موڑتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (الغافر: ۶۰) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت کو اللہ جل شانہٗ سے دعائیں مانگنے کی ترغیب دی ہے، اور اس باب میں امت کو بڑی واضح ہدایات اور رہنمائی فراہم کی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو عبدیت و بندگی کی مجسم تصویر تھے، تواضع و انکساری کا بہترین نمونہ تھے۔ نے اللہ جل شانہٗ سے خوب دعائیں مانگی ہیں، اللہ کے نبی کی دعاؤں کو محدثین نے محفوظ کیا ہے، اور پوری دیانتداری کے ساتھ امت تک ان کو پہنچایا ہے، یہ دعائیں کیا ہیں؟ ایک طرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی شان کبریائی کا اعلان ہے، تو دوسری طرف شہنشاہ مطلق کے دربار میں بندہ کی عاجزی و انکساری کا اظہار ہے، ایک طرف خالق کائنات کی تعریف و توصیف کا بہترین مجموعہ ہے تو دوسری طرف خطاؤں اور کوتاہیوں کا بلا جھجک اعتراف ہے، یہ دعائیں مختصر ہونے کے ساتھ نہایت جامع اور پر مغز ہیں، دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کو دعاء رسول جامع ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں فصاحت و بلاغت کا بہترین مرقع ہیں، عربی تراکیب کی بوقلمونی، چھوٹے چھوٹے جملوں کی بے ساختہ بندش، استعارات اور تشبیہات کی حلاوت و مٹھاس یہ وہ چیزیں ہیں جو عربی زبان سے شغف رکھنے والوں کے ادبی ذوق کو غذا کا سامان فراہم کرتے ہیں، اور ان کے تخیلات و تصورات کو ایک نئی سمت عطا کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع دعا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت اللہ جل شانہٗ سے مانگا کرتے تھے، کنز العمال میں مذکور ہے، وہ دعاء یہ ہے:

اللھم انی اسالك الصحة والعفة والامانة و حسن الخلق و الرضا بالقدر۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۶۵۰) اے اللہ! میں آپ سے صحت، عفت و پاکدامنی، امانت داری، حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں۔

اس مختصر سے جملہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ دعائیں مانگی ہیں:

صحت و عافیت: صحت و تندرستی اللہ جلہ شانہٗ کی عظیم نعمت ہے، یہ وہ دولت بیش بہا ہے جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں، صحت اور عافیت ہے تو دنیا کی تمام رعنائیاں اور اس کے دلآویز مناظر مشام جاں کو معطر

کرتے ہیں، اور قلب و دماغ کو فرحت و تازگی بخشتے ہیں، اور اگر کوئی صحت و تندرستی کی نعمت سے محروم ہے تو یہ کائنات اپنی وسعت و کشادگی اور اپنی سحر خیز جلوہ آرائی کے باوجود تنگ اور تاریک معلوم ہوتی ہے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قیمتی دولت اللہ جل شانہٗ سے مانگا ہے، اور امت کو یہ دولت اللہ جل شانہٗ سے مانگتے رہنے کی تلقین کی ہے، ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ جسم کا ایک کمزور ڈھانچہ ہے جو تنے کی طرح سوکھ گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے صحت اور تندرستی کی دعاء نہیں مانگتے؟ اس نے کہا: میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ آخرت میں جو آپ مجھے سزا دیں گے وہ سزا دنیا ہی میں مجھے دے دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا تم اس کی طاقت رکھتے ہو؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ سے یوں دعاء کرو: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا فرمایئے، اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھئے۔ جس طرح بندے سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے صحت و عافیت مانگے، اور مہلک بیماریوں سے حفاظت کی دعاء کرے، اسی طرح شرعاً بندے سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ صحت و تندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرے، اور ایسی چیزوں سے کنارے کشی اختیار کرے جو صحت کے لئے نقصاد دہ ہوں۔ آج ہمارے سماج میں بہت سی ایسی چیزیں عام ہوگئی ہیں جو صحت انسانی کو تباہ و برباد کرنے والی ہیں۔ اور انسان کے جسم کو کھوکھلا کردینے والی ہیں، مثلاً شراب، سگریٹ، گٹکا اور دیگر نشہ آور اشیاء، یہ چیزیں ہمارے معاشرے کا لازمی حصہ بن چکے ہیں، اور امیر و غریب، مرد و عورت، بوڑھے و جوان، ہر ایک اس کا عادی بن چکا ہے، اور ہمارے نسل نو میں ان چیزوں کی ایسی لت پڑ گئی ہے کہ چھوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی، ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں اسی فیصد منشیات کا استعمال ترقی پذیر ممالک میں کیا جارہا ہے، منشیات کے عادی لوگوں میں ساٹھ فیصد لوگوں کی عمر پندرہ تا تیس سال کے درمیان ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ منشیات کی بڑھتی ہوئی لعنت کس طرح ہمارے نوجوان اور آنے والی نسلوں کے لئے زہر قاتل ثابت ہورہی ہے، دوسری طرف حکومت منشیات کے کاروبار پر قدغن لگانے کے بجائے ان کی قانونی سرپرستی کررہی ہے، کیونکہ منشیات کے کاروبار اور تجارت سے حکومت کو اچھا خاصا ٹیکس وصول ہوتا ہے، اور اس پر ارباب اقتدار عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑی قابل تشویش اور افسوسناک صورت حال ہے، جو فوری طور پر اصلاح طلب ہے، ایسے حالات میں والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نشہ آور اشیاء سے دور رکھیں، سگریٹ، گٹکا کھانے والے دوست واحباب کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کریں، منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والی ضرر رساں بیماریوں اور ان کے مہلک نتائج سے انہیں روشناس کرائیں، اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی رعایت نہ برتیں۔

عفت و پاکدامنی: دوسری دعاء جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہٗ سے مانگی ہے اور امت کو یہ دعا مانگتے رہنے کی تلقین کی ہے وہ عفت و پاکیزگی ہے، عفت و پاکیزگی ایک بہترین اور قیمتی وصف ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ ہے، یہ وہ انمول جوہر ہے جو انسان کو متقی اور پرہیزگار بناتا ہے اور میدان حشر کے ہولناک عذاب اور قیامت خیز مناظر سے بندہ مومن کو محفوظ رکھتا ہے، عفت و پاکدامنی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی قوت شہوانی کو کنٹرول میں رکھے، اور زنا و بدکاری سے خود کو محفوظ رکھے اور غلط و حرام جگہوں میں اپنی شہوانی جذبہ کی تسکین نہ کرے، آج کے اس تیرہ و تاریک دور میں جب کہ مغربی تہذیب کا زہر ہلاہل ہمارے معاشرے میں سرایت کرگیا ہے، اور وقت گزرنے کے ساتھ فرنگی تہذیب کا سیل بلاخیز مسلم سماج کو بڑی تیزی کے ساتھ اپنی

لپیٹ میں لیتا جارہا ہے، اس کے نتیجہ میں بہت سے معاصی اور سیئات جن سے اسلامی تہذیب وثقافت کے حامل معاشرے میں بچنا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرنا آسان اور سہل تھا، آج کے دور میں قدرے دشوار اور مشکل ہوگیا ہے، آج گھر کی چہار دیواری سے باہر نکلیں! ایک طرف قدم قدم پر روکشان حول کی تجلی ہے، ادائے زلیخا کی دلبری ودلکشی ہے، آب انگور کی گلی گلی فراوانی ہے تو دوسری طرف ساز ونغمے زیر وبم ہے، وصل کے بے پردہ مضامین پر مشتمل موسیقی کی گھن گرج ہے، در ودیوار پر بدکاری وسیہ مستی پر آمادہ کرنے والی تشہیر وتحریر ہے، پھر سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی نے یہ غضب ڈھایا کہ گھر گھر ٹی وی اور وی سی آر پہنچ چکا ہے، اسمارٹ فونز اور وائی فائی کا فتنہ ہر گھر پر دستک دے رہا ہے، ملٹی میڈیا موبائل کی گوناگوں سہولیات اور سستے داموں میں ملنے والے انٹرنیٹ ڈاٹا کے امتزاج نے جو تباہی مچائی ہے کہ الامان والحفیظ، اس نے حسن عفت کا نقاب الٹ کر رکھ دیا، اور قلب ونظر کی پاکیزگی پر ایسا شب خون مارا کہ ایمان ویقین کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں۔ اور نوجوان طبقہ کی صحت وتندرستی کا دیوالیہ ہوگیا، چنانچہ وہ آنکھیں جنہیں بادۂ عشق ومعرفت سے مخمور ہونا چاہئے تھا آج وہ عشوہ طراز اداؤں کی مجسم ساحرہ اور اپنے خرام ناز سے قیامت ڈھانے والی نازنیں کے انتظار دید میں سلگ رہی ہیں، وہ چہرہ جسے ایمان ویقین کے موج نور میں غرق ہونا چاہئے تھا آج اس کے خدوخال ناکام محبت کی گواہی دے رہے ہیں، وہ قلب ودماغ جس میں عشق الٰہی کی انگیٹھی سلگنی چاہئے تھی، اور اس میں لقائے محبوب کی تمنا کروٹ لینی چاہئے تھی آج وہ متعدد لالہ رخوں اور زہرہ جمالوں کی حسرت گاہ بنا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال کافی افسوسناک اور غم انگیز ہے، اور ہر باشعور مسلمان کے دل ودماغ کو جھنجھوڑنے والا ہے۔

عفت و پاکدامنی کے جوہر سے آراستہ ہونے کے لئے سب سے اہم اور بنیادی چیز نظر اور دل کی حفاظت ہے، اگر انسان نے غیر محرم لڑکیوں سے اپنے نظر کو بچالیا، اور عنفوانِ شباب کے اندر دل میں جو گندے اور صنفی خیالات ابھرتے ہیں ان سے اپنے دل کے آئینہ کو صاف وشفاف رکھا تو ایسے انسان کے لئے عفیف اور پاک دامن رہنا بہت آسان اور سہل ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہٗ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ (النور: ۳۰) اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کی حفاظت کرنے پر بڑی خوشخبری سنائی ہے، اور بدنگاہی کو شیطان کا زہر آلود تیر قرار دیا ہے، جو انسان کے ایمان ویقین کے قیمتی سرمایہ کو نقصان پہنچاتا ہے، اور عبادتوں کی لذت ولطف کو ختم کردیتا ہے، اسی وجہ حضرت خواجہ مجذوبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی قامت گلفام پر اچانک نظر پڑجائے تو ان کے رخساروں کی سرخی کو جہنم کی آگ سمجھ کر ربنا وقنا عذاب النار پڑھو، اور اس سے پناہ چاہو۔

جو انسان نظر کی حفاظت کرنے کا اہتمام نہیں کرتا، اور عارض ورخسار کا دلدادہ ہوتا ہے، اس کے لئے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور بدنگاہی کی وجہ سے دل میں جو شہوت کی آگ بھڑکتی ہے اس کو بجھانے کے لئے مادۂ منویہ ضائع کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے عفت وپاکیزگی جیسے قیمتی سرمایہ سے محروم ہونے کے ساتھ وہ مختلف بیماریوں اور عوارض بھی کا شکار ہوجاتا ہے۔

امانت داری: تیسری دعاء جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور امت کو اس کی تلقین کی ہے، وہ امانت اور دیانت داری ہے، امانت داری کا لفظ اپنے جلو میں بہت گہرا اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، اگر اس کا مفہوم انسان کماحقہٗ سمجھ لے اور قیمتی وصف کو اپنی زندگی کا حصہ بنالے تو اس کی پوری زندگی شریعت کے رنگ میں رنگ جائے گی، اور اللہ جل شانہٗ کی رضا و خوشنودی کا حصول اس کی زندگی کا مقصد اور محور بن جائے گا، امانت داری کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ کسی نے آپ کے پاس کوئی قیمتی چیز امانت رکھوائی، اور آپ نے اس کو اسی حالت میں واپس کردیا، بلکہ

امانتداری کے دائرے میں یہ بات بھی آتی ہے کہ شریعت کے سارے احکام کو اپنی زندگی کے اندر نافذ کیا جائے، اور اوامر و نواہی کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے، بلاشبہ ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر امانت (شریعت کے احکام) کو پیش کیا تو وہ اس کے اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا ناداں ہے۔ (الاحزاب: ۷۰) اسی طرح امانت داری کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ نے اس کو جو صحت اور تندرستی عطا کی ہے، بن مانگے اس کو آنکھ، کان، ناک اور صحیح سالم اعضاء عطا کئے ہیں ان کو اللہ کی طاعت وفرمانبرداری میں مشغول رکھے، اور اللہ جل شانہٗ کی حرام کردہ چیزوں سے دور اور نفور رہے، ہر وہ چیز جس سے دوسروں کو حق متعلق ہے اس کی حفاظت ونگہداشت کرنا اور حقداروں تک ان کے حقوق میں خرد برد کرنا خیانت ہے، الغرض اللہ جل شانہٗ سے امانت داری کا سوال بڑا گہرا اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، امانتداری کا جو مفہوم ہے اس کو ذہن میں مستحضر رکھ کر ہم اللہ جل شانہٗ سے دعا مانگیں اور ساتھ ہی ساتھ امانتداری کے تقاضوں پر عمل بھی کرتے رہیں۔

حسن اخلاق: حسن اخلاق کامل ایمان کی پہچان ہے، اسلام اور مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے، جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے، اللہ کی رضا وخوشنودی کا جلی عنوان ہے، حسن اخلاق وہ قیمتی زیور ہے جس سے آراستہ ہونے والے شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے، اور بروز محشر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے، یہ وہ بیش بہا وصف ہے جس کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے، اور اس کو کمال ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے، خوش اخلاق اور خوش اطوار انسان خالق ومخلوق ہر دو کی نگاہوں مین محبوب اور منظور نظر ہوتا ہے، معاشرے کے افراد کے مابین اس کو مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور دوست ودشمن ہر ایک کے لئے وہ مرکز محبت وعقیدت ہوتا ہے۔

حسن اخلاق وہ قیمتی سرمایہ ہے جو ایک صالح اور خوشگوار معاشرے کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، باہمی محبت والفت اور اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے میں مدومعاون ثابت ہوتا ہے، حسن اخلاق وہ زیور ہے جو انسان کو زینت عطا کرتا ہے، اور شخصیت کو پرکشش بناتا ہے، جو انسان اعلیٰ اخلاق وکردار کا حامل ہوتا ہے لوگ اس کی طرف کھنچتے چلے آتے ہیں، اور اسکی باتوں کو بڑی اہمیت اور توجہ کے ساتھ سنتے ہیں، آج مجموعی طور پر ہم مسلمانوں سے اخلاق کا قیمتی جوہر رخصت ہوتا جارہا ہے، کردار کی پختگی اور شخصیت کی دلبری ہم میں عنقاء اور ناپید ہوتی جارہی ہے، تحمل و بردباری اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ سرد پڑتا جارہا ہے، ایثار و ہمدردی اور اخوت ومحبت ہمارے سماج سے ختم ہوتا جارہا ہے، صبر آزما اور ناگفتہ بہ حالات میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور مدد کرنیکا مزاج کم ہورہا ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف ہمارے معاشرے میں باہم جھگڑے ہورہے ہیں، ایک دوسرے کے عیوب کو ہم اچھال رہے ہیں، مسلمان بھائیوں کی عزتوں کو ہم پامال کررہے ہیں، ہمارے دلوں میں معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے خود اپنے دینی بھائیوں کے تئیں نفرت و عداوت کے شرارے بھڑک رہے ہیں، تو دوسری طرف ہماری اس صورت حال کی وجہ سے غیروں کو ہم پر ہنسنے کا موقع مل رہا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے غلط اور منفی پیغام لوگوں کو پہنچ رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ دین اسلام سے وہ متوحش ہورہے ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ابدی وسرمدی پیغام کی غلط تصویر غیر مسلموں کے ذہنوں میں بیٹھ رہی ہے، لہٰذا ہماری دینی وملی ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ شانہ سے حسن اخلاق کی دولت مانگیں، اور بلند اخلاق وکردار سے خود کو متصف کریں، اور اس کے لئے کسی اللہ والے اور صاحب نسبت بزرگ کی صحبت میں رہیں، اور اپنی

عملی، اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے سنجیدہ اور منظم کوشش کریں۔

تقدیر الٰہی پر رضامندی:

پانچویں اور آخری دعاء جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگی ہے، اور امت کو یہ دعاء مانگتے رہنے کی تعلیم دی ہے وہ تقدیر پر راضی رہنا ہے، تقدیر پر راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر جب اچھے اور خوش کن حالات آئیں تو اللہ جل شانہٗ کا شکر بجالائے، اور ذہن میں یہ مستحضر رکھے کہ یہ اچھے حالات میری کسی طاقت وقوت کا کرشمہ نہیں ہے، نہ اس میں میرے زور بازو اور پرانے تجربات کا دخل ہے، نہ یہ میری فطری ذہانت اور فطری استعداد کا نتیجہ ہے، بلکہ یہ محض اللہ کا خاص فضل وانعام ہے جس سے اللہ نے مجھ کو بغیر استحقاق کے نوازا ہے، اور اپنے بعض بندوں پر مجھ کو فوقیت عطا کی ہے، لہٰذا اب میری ذمہ داری ہے کہ اللہ نے جو نعمت اور دولت مجھے عطا کی ہے اس سے شریعت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے خود بھی فائدہ اٹھاؤں، اور بندگانِ خدا کی راحت رسانی کا بھی اس سے سامان کروں۔ اور اگر کوئی غم اور مصیبت پہنچے، سخت اور دل فگار حالات سے انسان دوچار ہوجائے تو انسان صبر کرے اور اس سے نجات پانے کے لئے جائز تدابیر اختیار کرے، جزع فزع کرنا، گریبان چاک کرنا، کپڑے پھاڑنا یہ سب رضا بالقضاء کے منافی ہے، اسی طرح یہ بات بھی رضا بالقضاء کے منافی ہے کہ انسان مصیبت و پریشانی سے گلوخلاصی کے لئے ناجائز اور حرام تدابیر کا سہارا لے، مثلاً نجومیوں، کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جانا ان کی باتوں کی تصدیق کرنا اور ان کے مشوروں پر عمل کرنا یہ سب بھی تقدیر پر صحیح ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے، اسی طرح سخت حالات سے دل گرفتہ ہوکر خودکشی کرلینا بھی تقدیر پر راضی نہ ہونے کی علامت ہے، اس لئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی کافی اہمیت کی حامل ہے۔ ○○

کیا ارتداد کی آندھی آتی آپ کو نظر نہیں آرہی؟

اندلس میں شہریت چین جانے کے خوف سے بے شمار مسلمان عیسائی بن گئے تھے۔

بیسویں صدی میں برازیل وارجنٹائن ہجرت کرنے والے لبنانی، اردنی، شامی اور فلسطینی استعمار کے آگے جھک گئے اور عیسائی بن کر آج بھی ان کی اولاد ان ملکوں میں رہ رہی ہے۔

موجودہ دور میں عراقی شامی مسلمان یوروپ کے شہری بننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں مرتد ہوچکے ہیں۔ یونان کا انتھنس شامی نوجوانوں مرد عورت کی جسم فروشی کے لئے بڑی مارکیٹ بن چکا ہے۔

دور کیوں جاتے ہو دہلی کے حوض رانی مالویہ نگر سا کیت وغیرہ کا جائزہ لیں جہاں اسٹیٹ لیس افغان مہاجرین رہتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں روہنگیا مہاجرین کے کیمپوں کو جا کر دیکھیں جہاں سے دنیا بھر میں غلام اور سیکس ورکر کے طور پر روہنگیاؤں کی تجارت ہورہی ہے۔

شہریت چین جانے کے بعد یا بے وطن ہوجانے کے بعد اپنا تشخص تو دور اپنا وجود و ایمان بچانا انتہائی مشکل ہے۔ اس کی مثالیں ایک دو نہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں۔

پھر بھی آپ آرام سے سو رہے ہیں؟ پھر بھی آپ خاموش رہنے کے لئے کہہ رہے ہیں؟ آخر کم سے کم باہر آکر یہ تو بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آپ خاموش ہیں؟ آپ کی خاموشی ہمیں کھائے جارہی ہے۔

اور اگر آپ کو یہ سب اس حد تک پریشان کن نہیں لگتا تو اس بدحواس اور مضطرب قوم کے درماں کے لئے کچھ تو کہیں آخر آپ چپ کیوں ہیں؟ کچھ تو لائحہ عمل امت کے سامنے رکھو، کچھ تو ان بے چارے کاندھوں پر ہاتھ رکھ دو۔

آپ کی خاموشی ہمیں ڈس رہی ہے۔ **واللہ المستعان وحسبنا اللہ و نعم الوکیل۔**

محمد طلحہ

ابواحمد سکراوی

اپنی زبان کی حفاظت کیجئے

اس وقت سماج و معاشرہ میں اخلاقی قدریں مٹتی جارہی ہیں، جب کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد و عورت کو اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے اور اچھے اخلاق اپنانے کی تعلیم دی ہے۔ حسن اخلاق کا ایک اہم ترین پہلو ''زبان کی حفاظت'' ہے، اسلامی نظام اخلاق میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ زبان کی حفاظت کرنے اور اسے کنٹرول میں رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ زبان کو آزاد چھوڑ دینے سے بہت سی آفتیں، تباہیاں اور معاشرتی ہلاکت خیزیاں جنم لیتی ہیں، اسلامی، اخوت و بھائی چارگی کا جنازہ نکل جاتا ہے، رقابتیں اور دوریاں بڑھنے لگتی ہیں، سماج میں ہر آدمی ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی کا شکار ہوجاتا ہے، بے لگام زبان ہمیشہ شیطان کا آلہ کار بن جاتی ہے اور آدمی نفس کا غلام بن جاتا ہے، پھر کسی کی عزت و آبرو پر کیچڑ اچھالنا، کسی پر طعن و تشنیع کرنا، جھوٹ وافترا باندھنا، غیبت و چغل خوری کرنا، گالی گلوچ دینا، عام سی بات ہوجاتی ہے، اور یہی ہو بھی رہا ہے۔ غیر تو غیر رہے ہم مسلمان کی یہی روش اور عادت بنتی چلی جارہی ہے، جو جتنا بڑا منھ پھٹ ہو اسی قدر دانا و بینا اور عقلمند تصور کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگ سماج میں قدآور اور آؤ بھگت کا حقدار سمجھے جاتے ہیں۔ ہماری نئی نسل کا طرز تکلم اور انداز گفتگو بالکل ہی جداگانہ ہے، آپس میں ماں بہن بیٹی کے مقدس رشتوں کو آڑے ہاتھوں لئے بغیر گفتگو کا آغاز ہی نہیں ہوتا۔ دور حاضر میں انسانی شرافت و نجابت کا معیار ہی بدل گیا ہے لہٰذا جب ایسی بداخلاقی اور شرعی جرم سماج و معاشرہ میں عام ہوجاتی ہے تو آدمی گناہوں پر جری اور بڑے بڑے کبائر کو حقیر جاننے لگتا ہے، نتیجتاً اپنے دین و مذہب سے اس قدر دور ہوتا چلا جاتا ہے کہ دینی و اخلاقی باتیں بھی گراں گذرتی ہیں، ہمیں یاد رہنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول کے بتائے گئے حدود اور دائرے ہی میں گذرنی چاہئے اسی میں دین و دنیا کی سعادت مندیوں کا راز پنہا ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدردانی یہ ہے کہ اسے اللہ کی ذکر و عبادت میں، تسبیح و تہلیل میں، تحمید و تقدیس میں تر رکھا جائے، بھلائی کا حکم اور برائی سے روکا جائے، اللہ کے دین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں استطاعت بھر کوشش کی جائے، چرب زبانی، لایعنی باتوں اور ایسے اعمال سے بچا جائے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو۔ تاکہ قیامت کے دن اوّلین و آخرین کے مجمع میں ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے، بڑی ہی خسران و ندامت کی گھڑی ہوگی جب ہر آدمی خود ہی حیران و ششدر ہوگا، ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہر چھوٹا بڑا شمار کر رکھا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے۔

(الکہف:۴۹)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''انسان منھ سے کوئی لفظ نہیں نکالتا کہ اس کے پاس (رب کے) نگہبان (نوٹ کرنے کے لئے) تیار رہتے ہیں۔'' (ق:۱۸) ایک اور جگہ فرمایا: ''یقیناً تم پر نگہبان لکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں، جو کچھ کرتے ہو جانتے ہیں۔''

(انفطار:۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کو لازم ٹھہرایا

ہے۔ آپ کی زندگی ایک مومن کے لئے آئینہ ہے۔ جس کے مطابق ہمیں اپنی زندگی کو ڈھالنا ہے، عقائد، عبادات، معاملات، حسن اخلاق اور زندگی کے ہر شعبے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی شہادت عرش والا دیتا ہے: ''اے نبی! بیشک تو عمدہ اخلاق کے بلند رتبے پر فائز ہے۔'' (القلم:۴) ایک اور مقام پر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ مان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے درگذر کریں۔'' (آل عمران:۱۵۹)

ہم اس نبی کی امت ہیں جس کے اخلاق کریمانہ اور حسن سلوک کا یہ حال ہے۔ آپ نے اپنی امت کو کیسی عمدہ اخلاقی تعلیم سے نوازا ہے، ارشاد مبارک ہے: ''جو شخص اپنے دونوں جبڑوں اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کا حصہ یعنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ذمہ داری لے لے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔'' (صحیح بخاری:۶۴۷۴)

ہمارے اندر یہ شوق وجذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ ہم اس نبوی ضمانت کو قبول کرکے اپنی زبان اور شرمگاہ کی پوری پوری حفاظت کریں تاکہ حقیقت میں ہم جنت کے مستحق بن سکیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا لوگ کس وجہ سے سب سے زیادہ جنت میں داخل کئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ اللہ یعنی اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق کی وجہ سے، پھر پوچھا گیا لوگ کس وجہ سے کثرت کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ فرمایا: منہ اور شرمگاہ کی (بے اعتدالیوں کی) وجہ سے

(سنن ترمذی:۲۰۰۴)

فضول گفتگو سے خاموشی بحر صورت بہتر

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول الہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان و یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ اچھی بات بولے، ورنہ خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری:۵۹۹۵) دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پالیا۔'' (سنن ترمذی:۲۵۰۱) اس حدیث کو شارحین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے جس میں ہر دانا و بینا شخص کے لئے بڑی عظیم حکمت اور دارین کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: جب گفتگو کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ بات کہنے سے پہلے غور وفکر کرلے۔ اگر وہ بھلائی اور خیر و مصلحت پر مبنی ہو تو بولے اور اگر شک و شبہ والی چیز ہو تو خاموش رہے۔ (الاذکار للنووی:۷۷۶)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: ''اللہ کے رسول نجات کیسے مل سکتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو، اپنے گھر کو لازم پکڑو (یعنی فارغ اوقام میں گلی، نکڑ، چوراہوں پر مت گھومتے پھرو) اور اپنے گناہوں پر (تنہائی میں) روؤ۔'' (سنن ترمذی:۲۵۸۶) زبانِ نبوت کے سنہرے تعلیمات کو سامنے رکھئے اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے کہ نوجوان طبقہ تو اپنی جگہ رہا، بڑے بوڑھوں تک کے کردار و عمل اور اخلاقی پامالی کو دیکھ کر رونا آتا ہے۔ جنہیں نیکیوں کی حفاظت اور آخرت کی فکر دامن گیر ہونی چاہئے، وہ نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھ کر دوسروں کی پگڑیاں اچھالتے نظر آتے ہیں اور اگر مسجد سے باہر نکلے تو کہیں نکڑ چوراہے پر یا لب سڑک ہوٹلوں میں یا تالاب کے کنارے گپ شپ کی ایسی داستان! اللہ کی پناہ! اسی حقیقت کا عکس ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ''وہ نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کثرت سے لوگ غفلت و لاپرواہی کا شکار ہیں، صحت و تندرستی اور

فارغ البالی۔" (صحیح بخاری: ۶۴۱۲) حالانکہ خصوصیت کے ساتھ بچی کھچی ضعیفی کی اس عمر کو غنیمت سمجھنا چاہئے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق "لا یزال لسانك رطباً من ذكر الله" (سنن ابن ماجہ: ۳۰۶۰ صحیح) برابر اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنی چاہئے۔

زبان کی ہلاکتیں

زبان کی آفتوں اور ہلاکتوں کا سلسلہ بہت دراز ہے اس کی بہت بڑی آفت وتباہی جس کے دام فریب میں ہر عام وخاص مرد وعورت، عالم وجاہل اور نیک وبدگرفتار ہو چکا ہے، وہ ہے زبان کی بے جا آزادی اور اسے شتر بے مہار چھوڑ دینا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ کوئی قابل گرفت عمل ہی نہیں ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں غور کیجئے، ہماری یہ زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، نشتر زنی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں جو چاہا کہہ دیا۔ گالی گلوچ، طعن وتشنیع، جھوٹ وفریب، الزام تراشی و بہتان بازی جیسے الفاظ کے معانی ہی بدل کر رہ گئے ہیں۔ گناہ کا کوئی احساس ہی باقی نہ رہا۔ ہر شخص کی زبان اس کے دل کا ترجمان ہوتی ہے، جس کا دل گناہوں سے سیاہ ہو چکا ہو، شرک وبدعت اور نفاق کی آماجگاہ بن گیا ہو، اس شخص سے شرافت کی امید کم ہوتی ہے۔ اسی پس منظر میں دل اور زبان کے گہرے رشتہ کی نقاب کشائی حدیث نبوی میں کچھ اس طرح سے کی گئی ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کا ایمان درست نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے۔

(صحیح ترغیب وترہیب: ۲۸۶۵)

ہمارے رب نے اخلاقی فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں ہمیں آگاہی دی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تمہیں جس کے بارے میں علم نہیں ہے تم اس کے پیچھے نہ پڑو، بے شک! یہ کان یہ آنکھ یہ دل سب اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے۔" (الاسراء: ۳۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندہ زبان سے کبھی اللہ کی خوشنودی کے ایسے کلمات کہہ دیتا ہے جس کی وہ پرواہ نہیں کرتا۔ (مگر اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور کبھی بندہ لاپرواہی میں زبان سے ایسے کلمے ادا کر دیتا ہے کہ جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔"

(صحیح بخاری: ۶۴۷۸)

زبان کی آزادی دنیاوی حیثیت سے بھی مہنگی ثابت ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے، میٹھی زبان اجنبی شخص کو بھی چائے پلانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ دشمن کا دل جیت لیتی ہے۔ جب کہ بدزبانی اور ترش روئی بظاہر اچھے بھلے آدمی کا وقار مجروح کر دیتی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ زبان درازی انسان کو جوتے کھانے پر مجبور کر دیتی ہے اور اخروی ناکامی کی حیثیت سے ایسا آدمی بدترین لوگ میں شمار کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ آدمی اللہ کے نزدیک قدر ومنزلت کے اعتبار سے سب سے بدترین انسان ہے جس کی شرانگیزی سے بچنے کے لئے لوگ اسے چھوڑ دیں۔" (صحیح بخاری: ۶۰۳۲) یعنی لوگ اس کی شرارتوں سے بچنے کے لئے کنارہ کشی اختیار کرنے لگیں۔ آج معاشرہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں، زبان کی ایک بہت بڑی آفت غیبت وچغل خوری ہے۔

غیبت و چغل خوری

حدیث میں غیبت کی تعریف کچھ اس طرح سے بیان کی گئی ہے: ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف بیان فرمائی، اپنے بھائی کا ذکر اس طرح سے کرنا کہ اگر وہ سنے تو ناپسند کرے، پوچھا گیا کہ جو بات ہم کہہ رہے ہیں وہ کمزوری حقیقت میں اس

بھائی کے اندر موجود ہو تب بھی یہ غیبت ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کی اس میں ہے اس کا ذکر کرنا ہی تو غیبت ہے اور تم نے اگر وہ بات کہی ہے جو اس کے اندر نہیں ہے تو تم نے اپنے بھائی پر بہتان تراشی کی ہے۔'' (صحیح مسلم: ۵۲۸۹) لہٰذا کسی کے بارے میں معمولی کلمہ بھی مطلقاً غیبت میں داخل اور حرام فعل ہے، کسی شخص کی ذات کے بارے میں ذکر کیا جائے یا اس کے اخلاق و کردار، دین و ایمان، مال و اولاد، بیوی بچے، بزنس و تجارت، چال ڈھال، خلقی و خلقی اوصاف کے متعلق ذکر کیا جائے اس پر مستزاد یہ کہ ہاتھ، سر، آنکھ وغیرہ کے اشارے سے کیا جائے یا زبان سے، یہ ساری حرکتیں غیبت میں داخل ہیں۔ الا یہ کہ اس کا کہنا کسی شرعی حکم اور ضرورت کے مطابق ہو۔

اسی بارے میں ایمان والوں سے اللہ کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! بہت زیادہ بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔'' (الحجرات: ۱۲)

ایک مومن کی شان کتنی عظیم ہے، شریعت میں اس کی عزت و آبرو کی عظمت و حرمت کا کس قدر پاس و لحاظ رکھا گیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔ ''اے کعبہ! تو کتنا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کس قدر پاکیزہ ہے تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ ایک مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک مرتبہ محترم قرار دیا اور مومن کی حرمت تین حیثیتوں سے بیان فرمائی ہے: اس کی جان، اس کا مال، اور اس کے ساتھ برا گمان (یعنی اس کی عزت و آبرو)''

(شعب الایمان: ج-۹-ص: ۱۷۵)

اس حرمت و عظمت کے باوجود جب ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرتا اور شخصیت و ذات پر حملہ کرتا ہے تو اس فعل بد کی وجہ سے عنداللہ کس درجے کا مجرم قرار پاتا ہے، اس کی نیکیوں کو ضائع و برباد ہو جانے کی کتنی قوی امید ہوتی ہے۔ اس قدر شناعت و بدبختی کے باوجود کتنے ایسے لوگ ہیں جو زندہ و باحیات تو اپنی جگہ رہے مردوں تک کی برائی اور غیبت کرنے میں عار نہیں سمجھتے، جب کہ مردوں کی عیب جوئی کرنا زندوں کی برائی سے بھی زیادہ بدترین عمل ہے، کیونکہ زندہ شخص سے معافی کی امید ہے برخلاف مردے سے۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا کوئی ساتھی انتقال کر جائے تو اسے چھوڑ دو، اس کی برائی نہ کرو۔ (سنن ابی داؤد: ۴۸۹۹) ایسے لوگوں کو اپنے اس رب سے ڈرنا چاہئے جو ہمیشہ گھات میں ہے۔ تاریکی و تنہائی میں کئے گئے عمل کا بھی حساب رکھتا ہے۔ ہمارے ہر ہر حرکت و عمل کو دیکھ رہا ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا: ''اے زبان سے ایمان لانے والو! جن کے دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، نہ انہیں عار دلاؤ۔ نہ ان کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرو (یاد رکھو!) جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کے پیچھے پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس آدمی کے پیچھے پڑھتا ہے اور جس کے گھات میں اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، وہ اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر پناہ لئے ہو۔'' (سنن ترمذی: ۲۰۳۲) اللہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کرنے اور اس کے شر و فساد سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے، مولائے کریم ہم سے وہ کام لے جو اس کی رضا کا باعث ہو۔

OOO

غلام حقانی۔ ٹولی چوکی

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

ہر کوئی جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے

اس دنیا کا ہمیشہ ہی یہ طریقہ رہا ہے کہ کسی بھی دعوے کا ثبوت مانگا جاتا ہے حتیٰ کہ ساری ہی تو قوموں نے اپنے اپنے نبیوں سے ان کی نبوت کا ثبوت بڑی ہی جارحیت کے ساتھ مانگا تھا۔ لیکن ''کل نفس علیہا فانٍ'' ہر کوئی جو اس زمین پر ہے، فنا ہونے والا ہے، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کسی کے مانگنے یا اس کا رد کرنے سے پہلے ہی لاکھوں سالوں سے مسلسل فراہم کرتے آرہے ہیں اور قیامت تک فراہم کرتے رہیں گے۔ انتہائی جاہل اور علم سے کوسوں دور انسانوں کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ اُنکے بھی آباواجداد ہوا کرتے تھے جو آج اس دنیا میں نہیں ہیں، اور کل وہ بھی اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔ اسی لئے بڑے بڑے اور بلند بانگ دعوے کرنے والے بھی اس دعوے کے مقابلے میں بول نہیں پاتے۔

لیکن رات دن کے مشاہدے کے باوجود انسان کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں سماتی کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے ساتھ کفن کے دو کپڑوں کے سوا کچھ بھی تو نہیں لے جاپائے گا۔ وہ مال و دولت جو اُس نے جمع کرکر کے رکھی ہوگی، وہ عیش و عشرت کے سامان جو اس نے اپنے لئے مہیا کئے ہوں گے، سب کچھ تو دنیا ہی میں دھرا رہ جائے گا، کچھ بھی تو اس کے ساتھ نہ جاپائے گا نہ ہی اُس کے کسی کام ہی آسکے گا۔

کویت کی امیر ترین شخصیت ناصر الخرافی (Naser Al-Kharrafi) نے جب یہ دنیا چھوڑی تو ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے مال و دولت کے انبار اور سامانِ عیش و عشرت کی تصاویر دیکھ کر ہی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اتنا کچھ جمع کرنے کے لئے پتہ نہیں انہوں نے اپنی زندگی کے کتنے قیمتی سال لگادیے ہوں گے اور کتنی عرق ریزی کی ہوگی۔ لیکن موت نے کس قدر آسانی کے ساتھ یہ سب کچھ اُن سے چھین لیا اور ان کو کفن کے دو کپڑوں کے ساتھ دو گز گڑھے میں پہنچادیا۔ اُن کا مال، اُن کی دولت، اُن کا سامان عیش و عشرت کچھ بھی تو انہیں موت کے پنجے سے نہ بچا سکا۔ وہ خود بھی یہ ساری دولت فدیے میں دے کر موت سے بچنا چاہتے تو بچ نہیں پاتے۔ کیونکہ ''کل من علیہا فانٍ'' کی گرفت سے نہ ہی آج تک کوئی بچ پایا، نہ ہی کوئی بچ پائے گا، اگرچہ کہ کسی کے لئے دنیا کے سارے پہاڑ سونے کے بنادیے جائیں اور ریت کے سارے ذروں کو ہیروں میں تبدیل کردیا جائے اور اس ساری دولت کو فدیے میں دے کر موت سے بچائے جانے کی خواہش کی جائے یا پھر تھوڑی سی مہلت ہی کی درخواست کی جائے۔ موت آتی ہے تو نہ کسی کی دولت دیکھی جاتی ہے نہ ہی کسی کی شہرت، نہ ہی کسی کا اقتدار، نہ ہی کسی کی جوانی، نہ ہی کسی کا بچپن۔ اور یہ سب کچھ لوگوں کے مشاہدے میں آتا رہا ہے اور آتا رہے گا۔

اور یہ بات بھی مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ موت صرف کسی کی زندگی ہی نہیں چھین لیتی بلکہ بیوی، بچے، عزیز و اقارب، دوست احباب، دنیا میں کمایا ہوا مال، دنیا میں حاصل کی ہوئی دولت، دنیاوی عیش و آرام کا سارا سامان، دنیاوی اقتدار، دنیاوی شہرت سب کچھ اس طرح چھین لیتی ہے کہ دوسری دنیا میں نہ اس کے بیوی بچے ہی اس کے کسی کام آسکتے ہیں، نہ ہی عزیز و

اقارب، نہ ہی دوست احباب، نہ ہی ساری عمر کی محنت سے حاصل کیا ہوا اس کا مال، نہ ہی ساری عمر میں جمع کی ہوئی اس کی دولت، نہ ہی اس کا اقتدار اس کے کسی کام آسکتا ہے نہ ہی اس کی شہرت۔ حسرت و یاس کے سوا کچھ بھی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ نہ کسی کی تسلی اس تک پہنچ پاتی ہے، نہ کسی کو مدد کے لئے پکار ہی سکتا ہے۔

لیکن انسان کو ایسی دولت سے مالا مال ہونے کا بھی موقع ملتا ہے جس کو موت چھین نہیں سکتی اور وہ دولت اُس کے ساتھ دوسری دنیا میں بھی پہنچ جاتی ہے اور اس کے سکون و اطمینان کا باعث بھی بن جاتی ہے اور وہ دولت بھی ایسی ہے جس کا حصول مشکل بھی نہیں، جیسے:

(۱) نمازوں کی پابندی۔ (۲) رمضان المبارک کے روزوں کی پابندی۔ (۳) زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی۔ (۴) حج کی سعادت۔ (۵) والدین کے ساتھ احسان کا برتاؤ۔ (۶) بیوی بچوں کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی اچھی تربیت۔ (۷) اولاد کی دعا۔ (۸) عزیز و اقارب کے ساتھ صلۂ رحمی۔ (۹) دوست احباب کے ساتھ بہترین اخلاق کا مظاہرہ۔ (۱۰) قرآن کا مطالعہ اور قرآنی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانا۔ (۱۱) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ (۱۲) خیر کے کام جیسے یتیموں بیواؤں اور مسکینوں کی امداد۔ (۱۳) مسلم سماج کے پچھڑے ہوئے بچوں کی تعلیمی امداد۔ (۱۴) مسلم سماج کے کمزور طبقات کے لئے طبی سہولتیں۔ (۱۵) اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اُن کاموں کا انجام دینا جن کا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اور اُن کاموں سے بچ جانا اور بچتے رہنا جن کے کرنے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

یہ وہ چند اعمال ہیں جن کے بجالانے میں کسی مشقت کی ضرورت پیش نہیں آتی، نہ ہی ان کے بجالانے کے لئے زندگی کا کچھ زیادہ وقت ہی درکار ہوتا ہے، لیکن ان اعمال کی وجہ سے زندگی کا وہ وقت، زندگی کے وہ لمحات انتہائی قیمتی بن جاتے ہیں اور ایک مومن کی زندگی کو انتہائی قیمتی بنا دیتے ہیں اور یہ وہ اثاثہ ہوتا ہے جس کو موت بھی چھین نہیں پاتی۔ یہ اعمال دوسری دنیا میں بھی مومن کے مونس و مددگار ہوتے ہیں اور اُخروی زندگی میں عیش و نشاط کا ذریعہ بھی۔

اس کے برخلاف تصاویر میں دکھائی دینے والے ناصر الخرافی کی بے شمار و بے حساب دولت کے انبار ہیں جو کہ ناصر الخرافی کو موت کے بے رحم پنجوں سے نہ بچا سکے اور موت نے پلک جھپکتے میں اُن سے اُن کی ساری عمر کی جمع پونجی چھین لی اور آج دولت کے یہ انبار آخرت کی تھوڑی سی بھی فکر کرنے والوں کے لئے ایک نشانِ عبرت ہی ہو سکتے ہیں۔ اُن کی دوسری دنیا میں یہ کوئی حیثیت ہوتی ہے، نہ ہی اُخروی دنیا میں۔ دنیا میں ان کی اربوں ڈالر کی مالیت ہوگی تو ہوگی لیکن دوسری دنیا میں اور اُخروی دنیا میں صرف والدین کے ساتھ احسان کی جو قیمت ہوگی اُس کے مقابلے میں اُس کی گرد کے ایک ذرہ برابر بھی قیمت نہیں ہو سکتی۔ یہ ساری دولت مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے اور آخر کار مٹی ہی میں مل جانے والی ہے جب کہ اعمال صالحہ سے حاصل ہونے والی دولت باقی رہنے والی ہے اور دوسری دنیا میں بھی کام آنے والی ہے اور آخرت کی دنیا میں اس قدر عیش و نشاط کا سامان فراہم کرنے والی ہے کہ اُس کا اس دنیا میں اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا، تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

کل من علیھا فان کا فلسفہ سمجھ لینے کے بعد یہ فیصلہ ہمیں آپ کو کرنا ہے کہ:

(۱) فانی دنیاوی دولت کے انبار یا باقی اعمال صالحہ کی بیش بہا دولت۔

(۲) فانی اقتدار یا باقی جنت کی وراثت اور عیش و نشاط۔

(۳) فانی شہرت یا باقی اللہ کی رضا اور خوشنودی۔

ان میں سے ہمیں کیا اختیار کرنا چاہئے؟

دسترخوان اٹھانے کا نبوی طریقہ

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ **الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه، غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا۔** (بخاری، رقم:۵۴۵۸)

ترجمہ: ہر حمد اللہ کے لئے ہے، بہت زیادہ حمد، پاکیزہ حمد، جس حمد میں برکت (اضافہ) فرمائی گئی، نہ کافی سمجھا ہوا اور نہ رخصت کیا ہوا اور نہ اُس سے بے نیاز ہوا ہو، اے ہمارے پروردگار (یعنی اے ہمارے رب) ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر بالکل رخصت کرکے یا اس سے غیر محتاج ہوکر نہیں اٹھا رہے ہیں۔

تشریح: اللہ رب العزت نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت اور اخلاق کریمانہ کا نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا تھا، آپ نے جہالت وبداخلاقی میں ڈوبی ہوئی امت کو جہاں علم وحکمت کا شعور بخشا وہیں انہیں اعلیٰ طرز معیشت سے بھی ہمکنار کیا اور آپ نے جہاں ایک طرف لوگوں کو احکام الٰہی کا پابند بنایا وہیں دوسری طرف حسنِ معاشرت اور کھانے پینے کے آداب سے بھی روشناس کیا، تاکہ ایک اسلامی اور مثالی معاشرے کی تشکیل وتعمیر ہو، کھانے سے پہلے دسترخوان بچھانا، کھانے سے فراغت کے بعد دسترخوان اٹھانا یہ سب اسی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کا حصہ ہے، دسترخوان بچھاکر کھانا کھانے کا سب سے بڑا فلسفہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے رزق کی ناقدری نہیں ہوتی، دسترخوان پر جو کچھ گرا، یا اُس پر ڈالا گیا وہ ہمارے یا جانوروں کے کام آجائے گا، اس لئے دسترخوان کا ادب یہ بھی ہے کہ اسے کوڑے دان کے اندر نہ جھاڑا جائے، نالیوں اور گندی جگہوں پر بچی ہوئی چیزوں کو نہ پھینکا جائے۔ وہ بھی اللہ کا رزق ہے، اُس کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہورہے ہیں، اپنے بہت سے مسلمان بھائی دسترخوان بچھانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور اب تو طلبہ کرام کی ایک بڑی تعداد ایسی ہوگئی ہے جو اس کا اہتمام نہیں کرتی، راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے! حالانکہ طلبہ کرام، مستقبل کے داعی اسلام ہیں، انہیں اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اور جب دسترخون اٹھایا جائے یا بچا ہوا کھانا اٹھایا جائے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعا کا اہتما کرنا چاہئے، تاکہ ہم اسلامی معاشرے کی تعمیر وترقی کے معمار بن سکیں۔

۱- مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ انسان کی زبان کو ہر آن حمد باری میں مشغول رہنا چاہئے، اسے ہر لحہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، شکر الٰہی، احکام الٰہی پر عمل کرنے کی کلید ہے، کیونکہ شکر الٰہی کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت انسان کو عبادت وریاضت کی تلقین کرتی ہے، حدیث میں ہے: **الطاعم الشاكر بمنزلة الصائم الصابر۔** (ترمذی، رقم:۲۴۸۶) کھاکر شکر بجالانے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے، روزہ دار چونکہ کھانے پینے سے احتراز کرتا ہے، اس لئے اجر پاتا ہے، پس اگر کھانے پینے والا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے تو وہ بھی ثواب کا حقدار ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد شکر بجالانا چاہئے، شکر کے لئے الفاظ کیا ہوں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بھی بتادیے۔ **الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه۔** حمد وثنا کے یہ الفاظ نہایت قیمتی اور اہم ہیں، ایک صحابی نے نماز میں یہ جملہ کہہ دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی جانب سبقت کررہے ہیں۔ (مسلم، رقم:۶۰۰، فضل قول الحمدللہ)

۲- شکر الٰہی کے بعد یہ دعا کرائی جارہی ہے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم دسترخوان اور بچا ہوا کھانا ضرور اٹھارہے

ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کھانا ہمارے لئے کافی ہوگیا، اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں، بلکہ ہم تاحیات کھانے کے محتاج ہیں اور ہم برتن الٹ دینے والے نہیں، ہمیں آئندہ اس دسترخوان کی حاجت ہوگی۔ ''غیر مودع'' یعنی دسترخوان اور کھانا ہم نے ہمیشہ کے لئے نہیں چھوڑ دیا، وقتی طور پر چھوڑ دیا ہے، کیونکہ ہم ہمیشہ کھانے کے محتاج ہیں۔ ''ولا مستغنی عنہ'' یعنی ہم کبھی بھی کھانے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، بے نیاز تو آپ کی ذات ہے، الغرض ان تینوں جملوں کے ذریعہ انسان کی عاجزی، احتیاج اور عبدیت کا اظہار کرایا جارہا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۷/۲۷۰۸)

۳- مفتی تقی عثمانی زید مجدہ فرماتے ہیں:

انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب اُس کی خواہش اور حاجت پوری ہوجاتی ہے اور اس سے دل بھر جائے تو اس چیز سے نفرت ہونے لگتی ہے، اگر پیٹ بھرنے کے بعد وہی کھانا دوبارہ اُس کے سامنے لایا جائے تو طبیعت اُس سے نفرت کرتی ہے، جس کی وجہ سے رزق کی ناقدری اور ناشکری کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے اٹھا تو رہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی قدر نہیں، بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک مٹائی ہے، اسی سے ہمیں لذت ملی ہے اور نہ اس وجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، ہمیں دوبارہ اس کی ضرورت ہے، پس اس دعا کی برکت سے رزق کی ناقدری بھی نہیں ہوگی اور دوسری طرف اللہ ہمیں دوبارہ رزق عطا فرمائیں گے۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۷/۳۳)

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

محترم عبدالرشید طلحہ نعمانی

اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا!

اسلام، امن و سلامتی کا سرچشمہ، ہمدردی و غمخواری کا مجسمہ اور انسانوں کے درمیان محبت و رواداری کو فروغ دینے والا مذہب ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا وہ پسندیدہ دین ہے جو اگر ایک طرف بندوں کا رشتہ معبود حقیقی سے مضبوط کرتا ہے تو دوسری طرف انسانوں کے درمیان محبت و بھائی چارے کی فضا قائم کرتا ہے۔ یہی وہ ضابطۂ حیات ہے جو بحیثیت انسان ہر ایک کو محترم سمجھتا اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو ہر حال میں تحفظ کرتا ہے، اسلام ہی انسانی تعلقات کی استواری اور نظام معاشرت کی پختگی کا مکمل لحاظ کرتا ہے، بھوک سے شکستہ حال لوگوں کو کھانا کھلانے، پیاس سے نیم جان افراد کو پانی پلانے، پریشان حالوں کی پریشانی کا ازالہ کرنے اور بیماروں کی عیادت و مزاج پرسی کرنے کا درس دیتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ جس نے بھوکوں کو کھانا کھلایا، پیاسے کو پانی پلایا اور بیمار کی عیادت کی گویا اس نے اللہ کو کھلایا، اللہ کو پلایا اور اللہ کی عیادت کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو اخلاق کی ایسی بیش بہا دولت اور قیمتی نعمت سے نوازا ہے، جو پورے دین کو جامع اور اس کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے، نیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و اخلاق کو باہم اس طرح آمیز بتلایا کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اعلیٰ اخلاق کے بغیر بے جان ہے۔ حدیث شریف میں اسلام کو عین اخلاق فرمایا گیا ہے، حتیٰ کہ عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی اخلاق سے مشروط کردیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان کی روح کے بعد دعوت محمدی کے دو بازو ہیں، ایک عبادت، دوسرا اخلاق، ایک خالق کا حق ہے اور دوسرا مخلوق کا۔ انہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے باب میں ایک نہایت بلیغ اور بڑی جامع ہدایت فرمائی ہے کہ "بندہ تکمیل ایمان کے رتبے پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے لئے وہی بھلائی نہ چاہے جو وہ اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے۔" اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہوسکتا۔ اخلاق کی بلندی یہی ہے اور اچھے اخلاق ہی وہ ستون ہیں جن پر صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ اخلاق ہی سے قوت و طاقت، عزت و سلطنت اور عظمت و رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اخلاق ہی وہ شان ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اسلام نے بلند اخلاق و اعلیٰ اقدار کا یہ درس مذہب سے بلند ہوکر دیا اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی حد بندی نہیں کی، پھر یہ محض تلقین زبانی نہیں تھی، بلکہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل بھی کیا، کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک انسان، زندگی کے کسی بھی شعبہ میں قدم رکھنے اور آگے بڑھنے سے پہلے اپنے سے بہتر شخص کے عمل و کردار کو بطور نمونہ دیکھنا چاہتا ہے اور جو شخص کسی بھی حوالے سے اس کی نظروں میں بہتر اور خوب تر قرار پاتا ہے اس کی پیروی کو وہ اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ "آئیڈیل کی تلاش" کا تصور اسی انسانی فطرت کا اظہار ہے اور اللہ رب العزت نے نسل انسانی کی ہدایت و راہ نمائی کے نظام میں اس کی فطرت کے اس پہلو کا لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ الفاتحہ میں انسان کو ہدایت کے لئے جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ "اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا، نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر، جو تیرے غضب کا شکار ہوئے۔" (سورۃ الفاتحہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سراپا مجموعۂ صفات حمیدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ارباب دانش و بینش اور اہل فکر و بصیرت سے خراج عقیدت وصول نہ کرچکا ہو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے نمایاں اور حسین پہلو جس نے دوست و دشمن سب کو اس بارگاہ خیر و حسن مین

سر نیاز خم کرنے پر مجبور کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ ہیں، جسے قرآن کریم نے ''خلق عظیم'' سے تعبیر کیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''کان خلقہ القرآن'' کہہ کر اسے قرآن پاک کی عملی تعبیر و تفسیر قرار دیا ہے۔ جناب رسالت مآب ایک حدیث میں خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''مجھے اچھے کام مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔'' اور یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کاموں یعنی مکارم اخلاق کو جن بلندیوں سے ہمکنار کیا ان کی مثال پیش کرنے سے تاریخ آج تک قاصر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو بھی اچھی عادات اور بہتر معاملات کی تلقین فرمائی ہے اور اخلاق کریمانہ انہی دو امور سے عبارت ہے۔

اخلاق حسنہ کے اعلیٰ نمونے :اسی لئے جب ہم سیر و تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور عمدہ معاشرت کے درجنوں نمونے ''سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں جا بہ جا نظر آتے ہیں، غیر مسلموں کے ساتھ زبانی و عملی ہمدردی، نصح و خیر خواہی اور ان کے حقوق کا خاص خیال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کا حصہ تھا۔ اکثر مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مالی و جانی نقصان فراہم کیا ہے اور یہ تعاون صرف انسانیت کے ناطے ہوا کرتا تھا۔

ایسی ان گنت مثالیں ہیں کہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر غیر مسلم افراد اسلام قبول کر لیا کرتے تھے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کے حوالہ سے ایک روایت ہے، جس میں ایک یہودی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی تھا، جس کو ''فلاں عالم'' کہا جاتا تھا (یعنی وہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھا) اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چند دینار قرض تھے، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے یہودی! میرے پاس کچھ نہیں کہ تجھے دوں۔ اس نے کہا: محمد! اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرض ادا نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا! میں تیرے پاس بیٹھ جاتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ (اور اسی مقام پر) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اس یہودی کو دھمکاتے تھے اور نکال دینے کا خوف دلاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو محسوس کیا تو آپ نے صحابہ کو اس سے منع فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایک یہودی آپ کو روک سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس شخص پر ظلم کروں جو ہماری پناہ میں ہے، یا جو ہمارے پناہ میں نہیں۔

پھر جب دن چڑھا، یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے مال کا آدھا حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، خدا کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ محض اس لئے کیا، تاکہ میں دیکھوں کہ آپ کی جو صفات تورات میں مذکور ہیں وہ آپ میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ تورات میں لکھا ہے: محمد بن عبداللہ مکہ میں پیدا ہوگا، طیبہ کی طرف ہجرت کرے گا اور اس کی حکومت شام میں ہوگی۔ وہ بدزبان و سنگ دل نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا اور نہ فحش گوئی اس میں ہوگی اور نہ وہ بیہودہ بات کہنے والا ہوگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یہ میرا مال موجود ہے، خدا کے حکم سے جہاں اس کو چاہیں خرچ فرمائیے۔

اسی طرح لوگوں کی بداخلاقی اور برے سلوک کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و تحمل اور خوش اخلاقی بھی لاجواب و بے مثال تھی۔ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، آپ نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے، راستے میں آپ کو ایک دیہاتی ملا، جس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس قدر سختی سے اپنی طرف کھینچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سینہ کے قریب ہو گئے، میں نے دیکھا تو آپ کی چادر کے کنارے نے آپ کی

گردن پر نشان ڈال دیا تھا۔ پھر اس دیہاتی نے کہا: اے محمد! تمہارے پاس خدا کا مال ہے، اس میں سے مجھ کو کچھ دلوایئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، مسکرائے اور پھر آپ نے اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

ان کے علاوہ سفر طائف کی خونچکاں داستان، فتح مکہ کا کرم بے کراں اور میثاق مدینہ کا اہم ترین اقدام وغیرہ پر مشتمل درجنوں واقعات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی عکاسی اور دین اسلام کے مبنی برفطرت ہونے کی غمازی کرتے ہیں۔

لوگوں تک اسلام کی سچی تعلیمات پہنچانے اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی آج اشد ضرورت ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ موجودہ ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے یہی وقت کا سب سے بڑا تقاضا اور مسلمانوں کے لئے زبردست چیلنج ہے۔ اسی کے ساتھ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور آپسی اختلاف کو انتشار کا سبب نہ بنائیں، ایک دوسرے کا احترام ہو، امت کے اجتماعی مفاد میں سر جوڑ کر بیٹھا جائے اور آئندہ کے لئے ٹھوس نظام العمل مرتب کیا جائے، تب کہیں جا کر کشتی ملت اس بھنور سے نکل سکتی ہے۔

تُو راز کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا
ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اُخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل! اُچھل کر بے کراں ہوجا

آپ ولی تھے، نبی نہ تھے

جمہور محقق کے قول کے مطابق آپ ایک نیک وصالح انسان تھے، آپ اللہ کے ولی تھے، نبی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت ودانائی عطا فرمائی تھی آپ کی حکمت و دانائی ضرب المثل ہے اور "حکیم" آپ کے نام کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کے نام سے موسوم ایک سورۃ سورۂ لقمان" موجود ہے، جس میں آپ کی چند حکمت آمیز نصیحتوں کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے بیٹے کو کی تھیں، جن میں سے پہلی اور دوسری نصیحت کا تعلق عقائد سے ہے۔

پہلی نصیحت یہ ہے کہ: "بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، کیونکہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔"

دوسری نصیحت یہ ہے کہ: "بیٹا! اگر چہ کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ بھی خواہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں، اسے اللہ تعالیٰ لاحاضر کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے باریک بین اور خبردار ہیں۔"

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھا جائے کہ آسمان و زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کے ایک ایک ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے، کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو، جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز پر ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو، اللہ تعالیٰ کے علم ونظر سے نہیں چھپ سکتی اور وہ جس کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر کرسکتے ہیں۔

تیسری نصیحت کا تعلق اصلاح عمل سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "بیٹا نماز پڑھا کر۔"

چوتھی نصیحت کا تعلق اصلاح خلق سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرنا، یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

پانچویں نصیحت کا تعلق آداب معاشرت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا کر، اکڑ کر نہ چل۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے ہیں اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر (شور شرابہ نہ کر)، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔"

اس کے علاوہ آپ کی حکمت ودانائی کی بے شمار باتیں کتابوں میں مذکور ہیں۔ (جواہر پارے: ۱/۸۵)

محمد مجاہد بن محمد خلیل

حدیث رسول کے باب میں ہماری کوتاہیاں اور صحابہ کرامؓ کی احتیاط

الحمدلله و کفیٰ و سلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد!

امت مسلمہ آج تنزلی کا شکار ہے، ہر طرف امت محمدیہ ہی ظلم وجبر کے سمندر میں ڈوب رہی ہے، کہیں بھی امت مسلمہ کو چین و سکون میسر نہیں ہے، اگر آپ اس کے بارے میں غور کریں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج امت زوال کا شکار بنی ہے۔ تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ آج ہم احکام اسلام اور تعلیمات اسلام سے دور ہیں، اگر آپ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر روشن ڈالیں، تو آپ پر یہ بات آشکارہ ہوگی کہ قرن اوّل میں جو مسلمانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا، تو اس کی وجہ صرف اور صرف اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونا ہے، اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک آواز پر جنگل کے درندوں نے جنگل کو خالی کیا ہے، تو صرف اور صرف اسلام اور شعائر اسلام پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اور آج ہم جو ذلیل وخوار ہو رہے ہیں تو صرف اور صرف اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے۔

اسلام کے احکامات نہ صرف ایک عام انسان کی زندگی سے دور ہو رہے ہیں، بلکہ خواص تک کی زندگی بھی بعض احکام اسلام سے تہی دامن نظر آتی ہے اور سب سے زیادہ اسلام کے جس گوشے میں ہماری کمزوری دیکھنے میں آرہی ہے، وہ ہے روایت حدیث، حدیث کے باب میں ہم اتنے جری بن گئے ہیں کہ ہر کس و ناکس سے اور ہر طرح کی حدیث کو بیان کرنا ہمارا معمول بن گیا ہے اور اس میں ہمیں کوئی ہچکچاہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی، بلکہ ہم ہر حدیث کو بیان کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، خواہ اس کی کوئی اصل ہو یا نہ ہو، چاہے اس کی کوئی سند معتبر ہو یا نہ ہو۔

آج ہمارے معاشرے میں بہت سی احادیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب واقعات رواج پا رہے ہیں اور زبان زد عام ہو رہے ہیں، جن کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں ہے اور کتب حدیث میں ان کا ذکر تک نہیں ملتا، بلکہ ان زبان زد عام من گھڑت احادیث اور واقعات میں سے ایک وہ حصہ بھی ہے جو بعض خواص کے حلقوں میں بھی وقتاً فوقتاً منبر ومحراب، وعظ ونصیحت کی مجالس اور تصنیف و تالیف کے میدان میں متعدد رسائل اور کتب کی زینت بنتا رہتا ہے اور یوں ان غیر محتاط خطباء، واعظین اور مصنفین کرام کی زبانوں پر کمزور اور واہی روایات، من گھڑت احادیث اور بے سند ولا اصل واقعات معاشرے میں پنپتے اور رواج پاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کثرت رواج اور شہرت کی وجہ سے بعض دفعہ یہ احساس ہی ختم ہو جاتا ہے کہ ذہن کے کسی خانے میں یہ تصور اور شعور پیدا ہو کہ اس حدیث یا واقعے کی تحقیق کی جائے اور اس کی اصل اور سند کو تلاش کیا جائے کہ آیا یہ معتبر بھی ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ وہ بات جسے حدیث کہا جا رہا ہے، یا وہ واقعہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، اس کا کسی حدیث کی کتاب یا کسی معتبر ماخذ اور وثیقہ میں ثبوت ہی نہ ملتا ہو، بلکہ زمانہ قریب یا بعید سے اعداء دین اور ملحدین کی شرارت اور دسیسہ کاری یا کسی اپنے کے تساہل کی بنا پر اسلامی معاشرے میں داخل

ہوکر رواج پا گیا ہو۔

جب کہ حدیث کے بارے میں جتنی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے شاید ہی کسی اور کام میں اتنی احتیاط درکار ہو، جیسا کہ حدیث نبوی میں آتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

"عن ابی هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار." (الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۳)

ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید وارد ہوئی ہے، اگرچہ الفاظ اس کے نرم ہیں، لیکن معنی کے لحاظ سے وہ حدیث مذکورہ بالا حدیث سے زیادہ سخت ہے، امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی حدیث بیان کی اور اس کا خیال یہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے (یعنی یہ بات حدیث رسول نہیں ہے) تو وہ جھوٹوں میں ایک جھوٹا ہے۔

"عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حدث بحديث و هو يرى انه كذب، فهوا احد الكذابين."

(مسند: رقم الحدیث: ۱۸۲۱۱)

مذکورہ بالا دونوں احادیث پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات آشکارہ ہوتی ہے کہ حدیث کے باب میں انتہائی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو جہنم کی وعید سنا رہے ہیں جس نے ایسی بات کو امام الانبیاء علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جو بات آپ نے فرمایا نہ ہو، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حدیث کی تحقیق کرنا گویا کہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، ہمارے گھروں اور دکانوں پر بیسیوں ایسی باتیں آویزاں ہوتی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں، ہماری مجالس میں بہت سی باتوں کو حدیث کہہ کر بیان کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت کے لحاظ سے وہ حدیث نہیں ہے، مثلاً: ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ سے دنیا اور آخرت کے متعلق سوالات کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو پوچھو، اس پر اس شخص نے کہا کہ: اے اللہ کے نبی! میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کا خوف اختیار کرلو، سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے، وہ آدمی کہنے لگا کہ: میں لوگوں میں سب سے زیادہ غنی بننا چاہتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قناعت اختیار کرو، لوگوں میں سب سے زیادہ غنی بن جاؤ گے، اسی طرح اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس سوالات کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کے جوابات سے آگاہ فرمایا، ہم طوالت کے خوف سے صرف اتنا ہی بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اس حدیث کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے جامع الاحادیث میں شیخ شمس الدین القماح کے مجموعہ سے نقل کیا ہے اور اس کے علاوہ اس بات کا کوئی اور ماخذ و مصدر ہم کو نہیں ملا، علامہ سیوطیؒ کے شیخ شمس الدین القماح نے اپنے سے اوپر اس حدیث میں صرف تین روایت کا ذکر کیا ہے، حالانکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو کہ اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں) کا انتقال ۲۱ ہجری میں ہوا ہے اور اس حدیث کے سب سے پہلے راوی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے، جسے اس سند میں صرف درمیان کا ایک راوی طے کر رہا ہے، حدیث کا دارومدار ہی سند متصل معتبر پر ہوتا ہے، اس حدیث کی تو سند موصول ہی ثابت نہیں ہے اور اسناد کی اہمیت کے بارے میں امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح مسلم کے مقدمہ میں موجود ہے:

"الاسناد من الدين لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء" اسی طرح عصر قریب کے عظیم محقق، شیخ العصر، عبدالفتاح

ابوغدہ صاحبؒ المصنوع کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: جب حدیث کی سند ہی نہ ہو، تو وہ بے قیمت اور غیر قابل التفات ہے، کیونکہ ہماری جانب ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو نقل کرنے میں اعتماد صرف اسی سند پر ہوسکتا ہے۔ (ص:۱۸)

اسی طرح ہماری اصلاحی مجالس میں ایک واقعہ بہت معروف ومشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تمام مدینہ والوں کی دعوت کی، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اچانک ایک صحابی پر پڑی، جو کسی گہری سوچ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عبدالرحمٰن بن عوف نے مدینہ والوں کی دعوت کی ہے اور تم یہاں بیٹھے کیا غور و فکر کررہے ہو؟ تو وہ صحابیؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں یہاں اسی فکر میں بیٹھا ہوں کہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک امتی جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر عبدالرحمٰن ہزار سال بھی مدینہ والوں کی دعوت کرتا رہے تو تمہارے ثواب کو نہیں پاسکتا۔

حالانکہ اس اور اس سے پہلے والے واقعہ کی سند ہی ثابت نہیں ہے اور ہم پہلے واضح کرچکے ہیں کہ جس بات کی سند ثابت نہ ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث جو کہ ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مشہور ہے، خاص طور پر سوشل میڈیا اور میسجز وغیرہ پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سب سے پہلے رمضان کے چاند کی خوشخبری دی اس پر جنت واجب ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی آج کل عوام میں مشہور ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سب سے پہلے ربیع الاول کے چاند کی خوشخبری دی اس پر جنت واجب ہے، حالانکہ کتب حدیث میں اس طرح کی کوئی روایت موجود ہی نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث جو کہ ہمارے منبر ومحراب سے سننے میں آتی رہتی ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"الناس کلھم موتی الا العلماء، والعلماء، کلھم نیام الا العاملون، والعاملون کلھم یغترون الا المخلصین، والمخلصون علی خطر عظیم۔"**

ترجمہ: لوگ سب کے سب مردہ ہیں سوائے علماء کے، علماء سب کے سب ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے، عمل والے سب غرق ہیں سوائے اخلاص والوں کے، اخلاص والے بڑے خطرے میں ہیں۔ حالانکہ حافظ ابن جوزیؒ، حافظ صغانیؒ، شیخ عجلونیؒ اور علامہ محمد طاہر پٹنیؒ جو کہ اکابر امت اور حدیث کے میدان میں رسوخ رکھنے والی شخصیات ہیں، انہوں نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے، دراصل یہ قول رسول نہیں ہے، بلکہ اس کے ہم معنی ایک قول حضرت سہل تستریؒ کا ہے، جس کو خطیب بغدادیؒ نے اقتضاء العلم میں بیان کیا ہے، اس لئے اگر بیان کرنا ہو تو پھر سہل تستریؒ کی طرف نسبت کرکے بیان کرنا چاہئے، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بیان کیا جائے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اچھی ہے، لیکن ہر اچھی بات حدیث رسول نہیں ہے، جیسا کہ شیخ العصر عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنی علوم حدیث کے تعارف میں مشہور کتاب لحات من تاریخ السنۃ وعلومہا کے حاشیہ میں اسی بات کو امام مزیؒ کی جانب نسبت کرکے لکھتے ہیں۔ (لحات، ص:۹۳)

اسی طرح ایک واقعہ ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مشہور ہے، جب ہمارے خطباء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس واقعہ کو اکثر بیان کرتے ہیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس حال میں کہ آپ نے ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل! اس سے پہلے تو آپ میرے پاس اس حالت میں کبھی نہیں اترے؟ تو حضرت

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آسمان میں وہ لباس پہنیں جو زمین پر ابوبکر صدیقؓ نے پہنا ہوا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۸/۴۷۸/۱۴)

حالانکہ اس واقعہ کو حافظ جلال الدین السیوطیؒ (متوفی: ۹۹۱) نے اللآلی المصنوعۃ میں، حافظ ابن عراق الکنانیؒ (متوفی: ۹۶۳) نے تنزیہ الشریعہ میں اور علامہ محمد بن علی الشوکانیؒ (متوفی: ۱۲۵۰) نے الفوائد المجموعۃ میں موضوع کہا ہے۔

اسی طرح ایک واقعہ جو کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مشہور ہے، خاص طور پر ہمارے خطباء جب بھی سیرت کے عنوان پر بیان کرتے ہیں تو اس واقعہ کو اکثر بیان کرتے ہیں اور عوام سے داد تحسین وصول کرتے ہیں، وہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوئی ان کے ہاتھ سے نیچے گر گئی، جسے وہ تلاش کرتی رہیں، لیکن سوئی نہ ملی، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے نورانی چہرے کی شعاع سے سوئی نظر آ گئی۔ اس واقعہ کو ابوالقاسم علی بن حسین ابن عساکر (متولی: ۵۷۱) نے تاریخ دمشق میں اور امام ابونعیم الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے، لیکن برصغیر کے مشہور عالم دین علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ میں موضوع (من گھڑت) قصوں کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ یہ واقعہ روایۃ اور درایۃ ثابت نہیں ہے۔ (مجموعہ رسائل لکھنوی: ۵/۳۴)

حالانکہ ہمارے خطباء میں سے جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے حسن کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ یہ واقعہ اکثر بیان کرتا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کے بارے میں کتب حدیث صحیح اور معتبر و مستند احادیث سے لبریز ہیں تو جب معتبر احادیث موجود ہیں تو پھر، ان واقعات کو، جن کی کوئی اصل نہیں ہے یا پھر ان کی سند انتہائی کمزور اور واہی ہے، جن کی نشاندہی محدثین کرام نے فرمائی ہے، کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کے برخلاف اگر ہم ان پاکیزہ ہستیوں کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں، جن کے ایمان کی گواہی قرآن کریم نے دی ہے، حتی کہ ان کے ایمان کو بعد میں آنے والوں کے لئے بطور پیمانہ قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ حدیث کے بیان کرنے میں کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے، حالانکہ ان شخصیات کے شب و روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزرے، تو ان کو کتنی احادیث یاد ہوں گی؟ لیکن کوئی تو وجہ ہے، جو ان کو بیان حدیث سے روکتی رہی اور وہ حدیث کے بیان کرنے میں کڑی احتیاط سے کام لیتے رہے، یہی حال تابعین، تبع تابعین اور اکابر امت کا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے روایت حدیث میں انتہائی احتیاط اور کڑی شرائط کا مظاہرہ کیا ہے، حدیث اور سند حدیث میں موجود روات حدیث کی دریافت اور ثقاہت اور ضبط کو اعلیٰ کسوٹی پر پرکھنے کے لئے کڑی تدابیر و شرائط کی روشنی میں ان حضرات نے متعدد قواعد وضوابط وضع کئے ہیں، پھر یہی امور آگے چل کر مستقل علوم، علم مصطلح الحدیث، علم الجرح والتعدیل، علل الحدیث، علم اختلاف الحدیث وغیرہ کی شکل اختیار کر گئے اور یوں روایت حدیث میں یہ محتاط رویہ آگے جا کر حدیث کے میدان میں وسعت دیتے ہوئے تحقیقات کی دنیا میں متعدد اور متنوع علوم وفنون کا موجد ٹھہرا۔

اب ہم نمونہ کے طور پر صحابہ کرام، تابعین اور اکابر امت کی روایتِ حدیث میں احتیاط کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن ان سے لو" ان کے بارے میں امام ابن ماجہ سنن میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو "قال رسول اللہ" کہتے ہوئے نہیں سنا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۱۷)

امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی سنن الدارمی میں حضرت عتاب کے حوالے سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میں غلطی میں پڑجاؤں گا تو میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث سناتا، امام دارمی فرماتے ہیں کہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کے آخر میں اوکما قال کے الفاظ ضرور فرماتے تھے۔ (سنن الدارمی: ۱/۴۵)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۲۶۱ ہجری) نے اپنی کتاب صحیح میں محمد بن عبداللہ الہمدانی کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث میں احتیاط کو اجاگر کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے ایک حدیث میں لفظ صیام رمضان کو لفظ الحج سے مؤخر کردیا تو اس پر فوراً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو روکا اور فرمایا کہ "**قال لا صیام رمضان والحج هكذا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم.**" (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۱۲۰) کہ صحیح وہ نہیں ہے جیسے آپ نے پڑھا، بلکہ الحج کا لفظ صیام رمضان سے مؤخر ہے، اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ جب کہ ہم مفہوم کی آڑ میں کیا سے کیا کہہ دیتے ہیں اور ہم کو کوئی فکر نہیں ہوتی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے والد گرامی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان نہیں کرتے جیسے فلاں اور فلاں بیان کرتے ہیں؟ اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوا، لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد من کذب علی..... سنا ہوا ہے، اس لئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بیان نہیں کرتا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۰۷)

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہے، سفر و حضر، جنگ ہو یا امن، غرض ہر جگہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں، تو ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ارشادات یاد ہوں گے؟ لیکن جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہم پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے کم حدیث بیان کرتے تھے، اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کو اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ کہیں منہ سے وہ بات نہ نکل جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی نہ ہو اور میں اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کردوں۔

محدثین کرام نے حدیث بیان کرنے میں اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے کہ اس آدمی کو حدیث پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے جس کو نحو پر عبور حاصل نہ ہو، جیسے کہ امام ابن الصلاح رضی اللہ علیہ (متوفی: ۶۴۳) اصول حدیث کے باب میں اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن الصلاح میں حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس بات کو نقل کرتے ہیں۔ (ص: ۳۲۶)

اس کے برخلاف ہمارا حال ہے کہ ہم نے کبھی اس بات کی طرف دھیان دینے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ہم جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کررہے ہیں، یا قلم کے ذریعہ اس بات کو اوراق کی زینت بنارہے ہیں، یا موبائل وغیرہ کے ذریعہ اس کو سوشل میڈیا پر عام کررہے ہیں..... کہ یہ بات بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرمائی ہے یا نہیں؟

ہمارے معاشرے میں من گھڑت احادیث جو پھیلی ہیں، وہ زیادہ تر خطبات سے آئی ہیں، اگرچہ ان خطبات سے جو نفع امت کو پہنچا اس کا انکار کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ ان خطبات سے نامور اکابر کے خطبات مراد ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ خطبات ہیں جو کسی معتبر عالم دین اور حدیث میں رسوخ رکھنے والے اہل علم کے نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں حدیث کی تخریج

اور حوالہ جات کا التزام کیا گیا ہے، تو ان میں جو حدیث نقل ہوتی ہے اس کو ہم بغیر تحقیق کے بیان کردیتے ہیں، حالانکہ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اسی طرح ہماری بعض اصلاح مجالس میں بھی بعض ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں بعض ایسے صوفیاء اور واعظین آتے رہے ہیں جنہوں نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کہ محدثین کے اصول کے تحت موضوع یا شدید ضعیف تھیں، اسی لئے جس مصنف نے بھی موضوع یا لااصل احادیث کو جمع کرنے میں قلم کو جنبش دی اور اس بارے میں کوئی کتاب تالیف کی ہے، اس میں اس نے متعدد ابواب کو ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، تو اس نے ایک باب یہ بھی قائم کیا کہ اس میں صرف ان غیر معتبر احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے، جو کہ صوفیائے کرام سے معاشرے میں آئی ہیں۔

اسی طرح معاشرے میں موضوع اور لااصل احادیث کے پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم بزرگوں کے بہت معتقد ہیں اور یہ بہت ہی اچھی بات ہے، بلکہ آج کے دور میں اپنی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی اکابرین امت سے محبت کرے، ان کے ملفوظات کو پڑھے اور ان کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرے۔

یہ عقیدت دیگر اعمال میں تو مستحسن ہے، لیکن احادیث کو نقل کرنے کے باب میں بھی ان کی عقیدت میں ان پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کو بیان کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اصل ماخذ سے حدیث کو دیکھنا چاہئے اور جب آپ اصل ماخذ سے اس حدیث کو نکال کر دیکھیں گے تو آپ پر یہ بات عیاں ہوگی کہ کسی جگہ پر تو حدیث کے الفاظ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور یہ احتیاطی طرز عمل اپنانے سے ان بزرگوں کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اس لئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ معصوم صرف اور صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت ہے، ان کے علاوہ کوئی اور معصوم نہیں ہے اور ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے، اس لئے بزرگوں کے افادات سے فائدہ حاصل کرنا اور ان کو عوام میں بیان کرنا بالکل ایک مستحسن عمل ہے اور اس سے بہت اچھا تاثر بھی پھیلتا ہے، بس اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جب بھی کوئی حدیث ان خطبات یا ملفوظات میں آئے تو صرف ان خطبات یا ان ملفوجات پر ہی اعتماد کرکے اس حدیث کو بیان نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کو اصل ماخذ یعنی حدیث کی کتاب سے نکال کر اور اس بات کی تحقیق کرکے کہ یہ حدیث قابل بیان بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو آیا یہی الفاظ اصل حدیث کے ہیں یا کتب حدیث میں حدیث رسول کے کوئی دوسرے الفاظ منقول اور مروی ہیں؟ اور اگر اتنا ملکہ نہ ہو کہ خود حدیث کی حیثیت معلوم کرسکے تو کسی فن حدیث کے ماہر سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کرکے پھر اس کو بیان کرنا چاہئے۔

اس لئے جو بھی عوام میں کوئی دین کی بات یا کوئی حدیث بیان کرتا ہے، تو اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے اور کل قیامت کے دن اللہ جل جلالہ کے سامنے سرخرو ہوسکے، مرنے کے بعد والی زندگی راحت اور آرام سے گزر سکے، لیکن جب وہ کسی ایسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے عوام میں پھیلائے گا جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمایا، تو اس سے اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوں گے؟ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم احادیث کو احادیث کے ماخذ اصلی سے دیکھ کر اور ان کی تحقیق کرنے کے بعد یا پھر علم حدیث سے وابستہ حضرات سے پوچھ کر بیان کریں، تاکہ کل قیامت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوسکیں اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا "**نضر الله امرءاً سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه.**" (مسند احمد: ۴/۱۶۲) کا مصداق بن سکیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

○○○

محترم یرید احمد نعمانی

مسئلہ علم غیب

قرآن کریم کی روشنی میں

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ، وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا، اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا، وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ، اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ، وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ (سورہ لقمان: ۳۳-۳۴)

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے پروردگار (کی ناراضی) سے بچو اور ڈرو اس دن سے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور نہ کسی بیٹے کی یہ مجال ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ذرا بھی کام آجائے۔ یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس لئے ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ دنوی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ وہ (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکے میں ڈال دے، جو سب سے بڑا دھوکا باز ہے۔ یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے اور کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (آسان ترجمہ قرآن)

تشریح و توضیح..... ''اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کے عقائد باطلہ کے رد کی طرف بھی اشارہ فرمادیا یہود اور نساریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں، اس لئے ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) سب کی طرف سے کفارہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نجات کا دارومدار ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح پر ہے، نہ کہ ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں۔'' (معارف القرآن کاندھلوی)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ رقمطراز ہیں: ''طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہوجاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہوسکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لے کر اس کو بچالیں، لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کرکے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہیے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل اس سے کیونکر بچ گے۔ وہ دن یقیناً آکر رہے گا، یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟

نیز اس دغاباز شیطان کے اغوا سے ہوشیار رہو، جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں! اللہ غفور رحیم ہے، خوب گناہ سمیٹو، مزے اڑاؤ، بوڑھے ہوکر اکٹھی توبہ کرلینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے، پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑیں۔

قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم خدا

کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کردیا جائے؟ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تروتازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں؟ زمین کی ساری رونق اور مادّی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تروتازگی پر فریفتہ ہوکر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو تروتازہ اور پررونق بنا رکھا ہے۔

علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے؟ بہت سے لوگ کوشش کرکے اور ایڑیاں رگڑ کر مرجاتے ہیں۔ لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو، دنیاوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہوکر ذرّہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کا ہے کہ فی الواقع ہماری تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں؟ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بے شک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی، تقدیر سے ملے گی، جس کا علم خدا کو ہے، مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی؟ جنتی ہے یا دوزخی؟ مفلس ہے یا غنی؟ لہٰذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو؟ روزی کتنی ملے، سعید ہوگا یا شقی؟ اسی کی طرف "ویعلم ما فی الارحام" میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑالو، پھر توبہ کرکے نیک بن جانا، اس کا جواب (وما تدری نفس ماذا تکسب غدا) (۳۱-لقمان:۳۴) میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آجائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کرلے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم وخبیر کو ہے۔" (تفسیر عثمانی)

آخری پانچ چیزوں کو سورۃ انعام کی آیت میں "مفاتیح الغیب" فرمایا گیا ہے۔ (وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمها الا ھو) یعنی "صرف اللہ ہی کے پاس ہے علم مفاتیح غیب کا، کوئی نہیں جانتا ان کو بجز اللہ تعالیٰ کے" حدیث میں اس کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے۔ مفاتیح مفتاح کی جمع ہے، کنجی یا چابی کو کہتے ہیں، جس سے قفل کھلتے ہیں۔ مراد اس سے اصول الغیب ہے، جن سے معلومات غیب کھلتے ہیں۔

(معارف القرآن)

نکات و معارف: عظمت سے اطاعت پیدا ہوتی ہے

"اس جگہ اللہ تعالیٰ کے نام یا کسی دوسری صفت کے بجائے صفت رب کے انتخاب کرنے میں اشارہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کا جو حکم ہے یہ وہ خوف نہیں جو کسی درندہ یا دشمن سے عادتاً ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارا رب اور پالنے والا ہے، اس سے اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ خوف سے مراد اس جگہ وہ خوف ہے جو اپنے بڑوں اور بزرگوں کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے ہونا لازم ہے، جیسے بیٹا اپنے باپ سے، شاگرد استاد سے ڈرتا ہے۔ وہ کوئی اس کے دشمن یا ضرر پہنچانے والے نہیں، مگر ان کی عظمت و ہیبت دلوں میں ہوتی ہے، وہی ان کو باپ اور استاد کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت تمہارے قلوب پر حاوی ہونی چاہئے، تاکہ تم اس کی مکمل اطاعت آسانی سے کرسکو۔" (معارف القرآن)

ایمان وعمل کی بنیاد پر رشتے ناتے آخرت میں نافع ہیں

(واخشوا یوماً لا یجزی والد عن ولده ولا مولود هو جاز عن والده شیئاً) مراداس سے وہ باپ اور بیٹے ہیں جن میں ایک مومن ہو، دوسرا کافر۔ کیونکہ مومن باپ نہ اپنے کافر بیٹے کے عذاب میں کوئی کمی کر سکے گا، نہ اس کو کوئی نفع پہنچا سکے گا، اس طرح مومن بیٹا اپنے کافر باپ کے کچھ کام نہ آسکے گا۔ وجہ اس تخصیص کی قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث ہیں، جن میں اس کی تصریح ہے کہ قیامت کے روز ماں باپ اولاد کی اور اولاد ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور اس شفاعت کی وجہ سے ان کو کامیابی بھی ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے: **(والذین آمنوا وتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم)** ''یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے تابع ہوئی، یعنی وہ بھی مومن ہوگئے تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ماں باپ صالحین کے درجہ میں پہنچادیں گے۔'' اگرچہ ان کے اپنے اعمال میں درجہ کے قابل نہ ہوں، مگر صالح والدین کی برکت سے قیامت میں بھی ان کو یہ نفع پہنچے گا کہ والدین کے مقام پر پہنچادیا جائے گا، مگر اس میں شرط یہی ہے کہ اولاد مومن ہو، اگرچہ عمل میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے: **(جنت عدن یدخلونها و من صلح من اباء هم و ازواجهم و ذریتهم)** یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں داخل ہوں گے جو اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی داخل ہوں گے جو ان کے ماں باپ، بیویوں اور اولاد میں سے اس قابل ہوں گے۔ مراد قابل ہونے سے مومن ہونا ہے۔ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ماں باپ اور اولاد اسی طرح شوہر اور بیوی اگر مومن ہونے میں مشترک ہوں تو پھر ایک سے دوسرے کو محشر میں بھی فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح متعدد روایات حدیث میں اولاد کا ماں باپ کی شفاعت کرنا منقول ہے۔''

(معارف القرآن بحوالہ مظہری)

مسئلہ علم غیب

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں مذکورہ عنوان کے تحت علم غیب پر سیر حاصل بحث کی ہے، جسے قارئین کے افادے کے لئے بعینہٖ نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ کی تفصیل بقدر ضرورت سورۂ نمل کی آیت: **(قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا الله)** کے تحت میں گزر چکی ہے۔ اس آیت میں مطلقاً علم غیب کا حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہونا صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے اور یہی پوری امت کا عقیدہ سلفاً وخلفاً رہا ہے۔ آیت زیر بحث میں جو صرف پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا علم کسی مخلوق کو نہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے، یہ کوئی تخصیص کے لئے نہیں، ورنہ سورۂ نمل کی آیت سے تضاد ہوجائے گا، بلکہ ان پانچ چیزوں کا خاص اہتمام بتلانے کے لئے یہاں ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وجہ تخصیص واہتمام کی یہ ہے کہ عام طور پر جن غیب کی چیزوں کو انسان معلوم کرنے کا شائق ہوتا ہے وہ یہی پانچ چیزیں ہیں، نیز علم غیب کا دعویٰ کرنے والے نجومی وغیرہ جن چیزوں کی خبریں لوگوں کو بتا کر اپنا عالم الغیب ہونا ثابت کرتے ہیں وہ یہی پانچ چیزیں ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے انہی پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جن میں ان پانچوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ (روح المعانی)

اور حدیث میں جو بروایت ابن عمرو ابن مسعود ارشاد آیا ہے کہ **اوتیت مفاتح کل شیء الا الخمس** (اخرجہ الامام احمد، ابن کثیر) اس میں لفظ اوتیت نے خود یہ بات واضح کردی کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علم غیب کی تعریف میں شامل نہیں۔ کیونکہ

انبیاء (علیہم السلام) کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علم غیب نہیں، جس کی بنا پر ان کو عالم الغیب کہا جا سکے، بلکہ وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ان کو انباء الغیب فرمایا گیا ہے۔ (من انباء الغیب نوحیها الیك)

اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انباء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسری مغیبات کا علم بہت کچھ انبیاء (علیہم السلام) کو بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے۔ اس تقریر سے بھی ایک اور وجہ ان پانچ چیزوں کے خصوصی ذکر کی معلوم ہوگئی۔

ایک شبہ اور جواب

مذکورہ آیت سے یہ ثابت ہوا کہ مطلق علم غیب جو حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے اس میں بھی خاص طور سے پانچ مذکورہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا علم کسی پیغمبر کے بذریعہ وحی بھی نہیں دیا جاتا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کو بھی معلوم نہ ہوں، حالانکہ امت کے بہت سے اولیاء اللہ سے ایسے بے شمار واقعات منقول ہیں کہ انہوں نے کہیں بارش کی خبر دی یا کسی حمل کے متعلق کوئی خبر دی، کسی کے متعلق آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی خبر دی، کسی کے مرنے کی جگہ متعین کر کے بتلا دی اور پھر یہ پیشن گوئی مشاہدہ سے صحیح بھی ثابت ہوئی۔ اسی طرح بعض نجومی یا جفر رمل وغیرہ کا فن جاننے والے ان چیزوں کے متعلق بعض خبریں دے دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ صحیح بھی ہو جاتی ہیں، تو پھر ان پانچ چیزوں کی خصوصیت علم الٰہی کے ساتھ کس طرح رہی؟

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو سورۃ نمل میں تفصیل سے آچکا ہے اور اختصار کے ساتھ اوپر مذکور ہوا ہے کہ علم غیب درحقیقت اس علم کو کہا جاتا ہے جو سبب طبعی کے واسطہ سے نہ ہو، بلا واسطہ خود بخود ہو۔ یہ چیزیں انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام اور نجومیوں وغیرہ کو اپنے حسابات و اسباب طبعیہ کے ذریعہ حاصل ہو جائیں تو وہ علم غیب نہیں، بلکہ انباء الغیب ہیں، جو کسی جزئی و شخصی معاملے میں کسی مخلوق کو حاصل ہو جانا آیت مذکورہ کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا کلی علم جو تمام مخلوقات اور تمام حالات پر حاوی ہو، وہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بذریعہ وحی یا الہام نہیں دیا، کسی ایک آدھ واقعہ میں کوئی جزئی علم بذریعہ الہام حاصل ہو جانا اس کے منافی نہیں۔

اس کے علاوہ علم سے مراد علم قطعی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، الہام کے ذریعہ جو علم کسی ولی کو حاصل ہوتا ہے وہ قطعی نہیں ہوتا، اس میں مغالطوں کے بہت سے احتمالات رہتے ہیں اور نجومیوں وغیرہ کی خبروں میں تو روزمرہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ دس جھوٹ میں ایک صحیح کا بھی تناسب نہیں ہوتا، اس کو علم قطعی کیسے کہہ سکتے ہیں؟

مسئلہ علم غیب کے متعلق فائدہ مہمہ

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے فوائد تفسیر میں ایک مختصر جامع بات فرمائی ہے، جس سے مذکورہ قسم کے سب اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک ''احکام غیبیہ'' ہیں، جیسے احکام شرائع، جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم بھی داخل ہے، جس کو علم عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند؟ یہ سب چیزیں غیر ہی کی ہیں۔ دوسری قسم ''اکوان غیبیہ'' یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم۔

پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو عطا فرمایا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔ (فلا یظهر علیٰ غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے، بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے

پسند فرمالیں۔ اور دوسری قسم یعنی اکوان غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے، وہ بالکل ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے، جس قدر چاہتا ہے، عطا فرمادیتا ہے۔ اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادتاً انبیاء (علیہم السلام) کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے۔ اکوان غیب کا علم جزئی بھی انبیاء واولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرمادیتا ہے، جو منجانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے۔ اسکو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ غیر کی خبریں (انباء الغیب) کہا جاتا ہے۔" (معارف القرآن)

آیت..... حدیث نبوی کے آئینے میں

۱- ربیع بنت معوذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری شادی کے موقع پر تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں گارہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ ہمارے درمیان ایسے نبی ہیں جو کل کی خبر رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کو نہ کہو! کل کیا ہوگا اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (درمنثور مترجم)

۲- ابوغرہ الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندے کی روح کسی علاقہ میں قبض کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ اس کے لئے کوئی ضرورت پیدا فرمادیتے ہیں اور اسے موت نہیں آتی یہاں تک کہ وہ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں اس کو موت آجاتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت: (وماتدری نفس بای ارض تموت) تلاوت فرمائی۔ (درمنثور مترجم)

۳- عامر یا ابوعامر ابومالکؓ راوی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آپ کے پاس تشریف لائے اور مختلف سوالات کئے، قیامت سے متعلق سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا:

"ان الله عنده علم الساعة، وينزل الغيث ويعلم مافي الارحام و ماتدري نفس ماذا تكسب غدا....." (درمنثور مترجم)

حاصل کلام

۱- 'الغرور' غرور ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غفلت اور دھوکہ میں ڈال دے، مال ہو، جاہ ہو، خواہش شہوانی ہو، یا خود شیطان ہو۔ (ماجدی)

۲- اللہ عزوجل کا ڈر وخوف پیدا کرنا لازم ہے: اس پر ایمان لاکر اور بندگی میں اس کی توحید (قولاً وفعلاً) اختیار کرکے۔

۳- حشر وجزا کا عقیدہ پختہ کیا جائے۔

۴- دنیاوی زندگانی، شیطان کی اتباع اور جن گناہوں کو وہ مزین اور خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، سے دھوکا کھانے سے ڈرایا جارہا ہے۔

۵- انسانوں اور جنات میں سے جو کوئی علم غیب کی معرفت کا دعویٰ کرے، وہ طاغوت یعنی شیطان ہے، لہٰذا اس پر لعنت کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا واجب ہے۔

۶- فی زمانہ یہ جو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جدید آلات اور ذرائع کے بل بوتے پر عورت کے رحم میں جنین کی کیفیت معلوم کرلی جاتی ہے تو یاد رکھیں کہ یہ علم ویعلم مافی الارحام کے تحت داخل نہیں، کیونکہ یہ تو پیٹ کو کھلوانے اور اس میں دیکھ کر بتانے کے مترادف ہے اور یہ (آج کے دور میں) لیزر شعاؤں کے ذریعے ممکن ہوچکا ہے۔ یہاں جس علم کی نفی مخلوق سے کی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان یوں کہے کہ فلاں مرد کی بیوی کا حمل مذکر ہے یا مؤنث؟ حالانکہ نہ تو وہ آدمی اس خاتون کے قریب گیا، نہ اسے اس خاتون کے سابقہ وضع حمل کی بابت کوئی تجربہ ہے اور نہ وہ کسی (جدید) ذریعے سے اس کے حمل کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (ایسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر)

(سبحان ربك رب العزت عما يصفون، و سلام على المرسلين، والحمد لله رب العالمين)

●●●

محمد رضی الاسلام ندوی

عورت: اسلام کے زیر سایہ

اسلام کے جن پہلوؤں پر دشمنانِ اسلام کی جانب سے اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک پہلو اس کا نظام خاندان اور اس میں عورتوں کے حقوق ہیں۔ اس پہلو پر ماضی میں بھی اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں اور اب بھی کئے جارہے ہیں۔ بالخصوص جب یورپ میں صلیبی جنگوں کے نتیجے میں اسلام مخالف لہر اٹھی تو مستشرقین کا ایک گروہ پیدا ہوا اور اس نے اسلام میں حقوق نسواں کو نشانہ بنایا، بالخصوص جب ہندوستان میں مسلم حکمرانی کا زوال ہوا تو انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں عیسائی مشنریز بھی آئیں۔ ان لوگوں نے اسلام پر مختلف طرح کے اعتراضات کئے۔ بعد میں جب ہندو احیاء پرستی کو غلبہ حاصل ہوا تو بھی اسلام کے اس پہلو پر برابر اعتراضات کئے گئے اور یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ آج بھی اسلام کے حقوق نسواں کے خلاف مخالفین اسلام کی مہم جاری ہے اور وہ برابر ان کو نشانہ بنارہے ہیں۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کو نشانہ وہ لوگ بنارہے ہیں جن کے یہاں عورتوں کی پیدائش کو منحوس سمجھا جاتا ہے، جن کے یہاں عورتوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کے کوکھ میں ماردیا جاتا ہے، جن کے مذہب میں عورتوں کو نہ کسی بھی طرح کے حقوق عطا کئے ہیں اور نہ ان کے کلچر میں عورتوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں لڑکوں اور لڑکیوں کے تناسب میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ ہر دس سال پر جو اعداد و شمار آرہے ہیں، انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد سے ایک ہزار لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد آٹھ سو اور نو سو کے درمیان رہتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جدید ترین آلات کے ذریعہ معلوم کرلیا جاتا ہے کہ رحم مادر میں جس جنین کی پرورش ہورہی ہے وہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے؟ اگر وہ لڑکی ہوتی ہے تو اسے قتل کردیا جاتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قانون سازی کے ذریعہ بھی اس گھناؤنے عمل پر روک نہیں لگائی جاسکی۔ اسلام پر اعتراضات وہ لوگ کرتے ہیں، جن کے یہاں عورتوں کو مردوں کا ضمیمہ سمجھا جاتا ہے، شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو اس کا حق نہیں دیا جاتا۔ ''ستی'' کی رسم تو ختم ہوگئی ہے، لیکن موجودہ دور میں اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو عزت والی زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر متھورا سے قریب ''بندرابن'' میں پچاس ہزار کے قریب بیوہ عورتیں وہاں کی گلی کوچوں میں ماری ماری پھر رہی ہیں۔

اسلام کے حقوق پر وہ لوگ اعتراض کررہے ہیں، جن کے یہاں بوڑھے ماں باپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھا جاتا اور اگر رکھا جاتا ہے تو حقارت آمیز طریقے سے۔ چنانچہ ہمارے ملک عزیز میں کئی ہزار اولڈ ایج ہومس قائم ہوچکے ہیں، جہاں بوڑھے ماں باپ کو زندگی گزارنا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ اسلام پر اعتراضات کرنے والے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عورتوں کو ان کی زندگی کے ہر مرحلے میں: بچپن میں، جوانی میں، بڑھاپے میں ہر دور میں عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا ہے۔ لیکن یہ عجیب وغریب بات ہے کہ ان لوگوں میں یہ ہمت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ لوگ اسلام میں عورتوں کے حقوق پر اعتراضات کریں۔

مختلف مذاہب میں عورتوں کے حقوق: ایک جائزہ: زمانہ قدیم میں یونانی تہذیب

اور رومی تہذیب میں عورتوں کو انتہائی ذلت والی حیثیت دی گئی تھی۔ ان کی اس حالت زار کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں یہ جملہ زبان زدعام وخاص تھا کہ ''آگ سے جل جانے، سانپ سے ڈسے جانے کا علاج ممکن ہے، لیکن عورت کے شر کا مداوا ممکن نہیں، عورت تمام دنیاوی آفات کی جڑ ہے۔'' رومن تہذیب میں عورتوں کو تمام تر بنیادی حقوق سے مرحوم رکھا جاتا تھا۔ یہ ان تہذیبوں کا حال ہے جن کو اپنے زمانے میں اعلیٰ ترین اور ترقی یافتہ سمجھا جاتا تھا۔ یہودیت کو الہامی مذہب کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن اس کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آدم کو جنت سے نکلوانے والی ایک عورت (حوا) تھی۔ اس نے آدم کو بہکایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سزائیں دیں: ایک تو یہ سزا دی کہ ہر مہینہ وہ ایک خاص حالت سے گزرتی ہے اور دوسری سزا یہ کہ اس کو پوری زندگی کے لئے مردوں کا غلام بنادیا گیا۔ اسے کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ کرے۔ عیسائیت میں عورت کو شیطان کا دروازہ کہا جاتا ہے، اس کو اتنا منحوس و مبغوض سمجھا جاتا ہے کہ ایک شریف، دیندار، پرہیزگار، متقی عیسائی کی آئیڈیل زندگی یہ ہے کہ وہ اس گندگی میں ملوث ہی نہ ہو۔ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ نکاح ہی نہ کرے۔ مندرجہ بالا دونوں تہذیبوں اور مذہبوں میں عورتوں کو ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ ان میں عورت کو خود ایک مال سمجھا جاتا ہے۔ ان کے یہاں عورت کو صرف مردوں کی جنسی خواہش کو پورا کرنے کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ یورپ، جو اپنی ترقی کے دعوے کرتا ہے، وہاں عیسائیت کے غلبے کے نتیجے میں اسی طرح کے تصورات عام تھے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یورپ میں انسانی حقوق بیداری مہم تین سو سال سے چل رہی ہے، لیکن اس طویل عرصے میں عورتوں کے حقوق کی طرف سے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ عورت کو تعلیم کا حق، ملکیت کا حق اور دوسرے تمام معاشرتی، سماجی اور تہذیبی و تمدنی حقوق بیسویں صدی عیسوی میں جاکر حاصل ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے اسے کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ ہندو مذہب میں عورتوں کو اتنا حقیر اور ذلیل بیان کیا گیا ہے کہ انسانی ذہن اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ''منوسمرتی'' ہندو مذہب کی ایک مشہور مذہبی کتاب ہے۔ اس میں جہاں ذات پات کے متعلق تفصیلی بیان ہے، وہیں عورتوں کے متعلق بھی بیانات موجود ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ: ''آگ، پانی، سانپ اور عورت، یہ چار چیزیں ہلاکت والی ہیں۔ انسانوں کو ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ جھوٹ، بے عقلی، فریب، حماقت، لالچ، ناپاکی، بے رحمی، یہ عورتوں کی خصوصیات ہیں۔ عورت کا کام شوہر کی خدمت کرنا ہے، شوہر کے مرنے کے بعد اس کو جینے کا حق نہیں ہے۔'' ان ریت رواجوں کا ایک طویل عرصے تک دور دورہ رہا۔ جو عورتیں اپنے شوہر کی چتا (میت) کے ساتھ جل مرتی تھیں، ان کے مندر قائم کئے جاتے تھے اور ان میں ان کی پوجا کی جاتی تھی۔

کچھ اسی طرح کی صورت حال زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوئی تہذیب ہو، مذہب ہو، حتی کہ جدید ترین تہذیب، جو اپنے بارے میں بلند بانگ دعوے کرتی ہے، اس میں عورتوں کو کبھی مردوں کے مساوی حقوق عطا نہیں کئے گئے۔ عربوں کے کئی قبیلے ایسے تھے جو لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے۔ اس زمانے میں الٹراساؤنڈ اور اس کے دیگر آلات ایجاد نہیں ہوئے تھے، جس سے معلوم ہوسکتا کہ حمل میں جس کی پرورش ہورہی ہے وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ وضع حمل سے پہلے گڈھا کھود لیا جاتا تھا۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اسے فوراً زمیں میں زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ ریت کی بڑی سی پوٹلی بناکے رکھی جاتی تھی۔ لڑکی پیدا ہوتی تو اس کے منہ پر وہ پوٹلی رکھ دی جاتی تھی، تاکہ اس کا دم گھٹ جائے۔ عرب کے صحرا کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش پر انہیں اس میں پھینک دیا جاتا

تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس سے متعلق بڑے دردناک واقعات ملتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ عرب میں بھی عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وراثت میں ان کو حق نہیں دیا جاتا تھا۔

اسلام میں عورت کا مقام

یہود کے یہاں آدم اور حوا کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ حوا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوانے کا سبب ہیں۔ قرآن مجید میں آدم اور حوا علیہما السلام کا واقعہ بہت سے مقامات میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ہر جگہ قرآن مجید نے دونوں کا تذکرہ کیا ہے کہ شیطان نے آدم اور حوا کو جنت سے نکلوایا۔ کسی ایک مقام پر بھی حوا کو قصوروار قرار نہیں دیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بہ حیثیت انسان محترم ہے۔ اس معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان قرآن کوئی تفریق نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم۔** (الاسراء:۷۰) ''اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا۔'' بنی آدم میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ قرآن نے قتل اولاد سے سختی سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولا تقتلوا اولادکم۔** (الاسراء: ۳۱) ''اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔''

اس میں قرآن کوئی تفریق نہیں کرتا۔ مقتول خواہ بچہ ہو یا بچی، لڑکا ہو یا لڑکی۔ قرآن کے الفاظ بہت واضح ہیں۔ اس نے ''اولاد'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اے لوگو! اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل مت کرو۔ قرآن عورت کو نصف انسانیت قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے۔ وہ کسی کو لڑکے دیتا ہے، کسی کو لڑکیاں عطا فرماتا ہے۔ کسی کو دونوں دیتا ہے اور کسی کو دونوں سے محروم کردیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۔ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا۔ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ۔ (الشوریٰ : ۴۹-۵۰) ''اللہ زمین اور بادشاہی کا مالک ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کردیتا ہے۔ وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس کو کس سے نوازنا چاہئے؟ حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ کس کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا، کس کے یہاں لڑکی پیدا ہوگی؟ اس میں انسانی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اسلام نے عورت سے بہ حیثیت عورت کے محبت کرنا سکھایا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **حبب الی من الدنیا النساء والطیب۔** (حدیث) ''دنیا کی چیزوں میں سے دو چیزیں مجھ کو محبوب ہیں: عورت اور خوشبو۔''

ایک حدیث میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ عورتیں اونٹوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک صحابی اونٹوں کو ہانک رہے تھے۔ اس زمانے میں اونٹوں کو ہانکنے والے اشعار پڑھا کرتے تھے تو ان کو سن کر اونٹوں کی رفتار تیز ہوجایا کرتی تھی۔ صحابی نے شعر پڑھنا شروع کیا تو اونٹوں کی رفتار تیز ہوگئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسم نے فرمایا: **رویدك سوقاً بالوقارير۔** (حدیث) ''اونٹوں کو آہستہ ہانکو، تیز مت ہانکو۔ اس لئے کہ ان پر آبگینے رکھے ہوئے ہیں۔''

''قارورہ'' شیشی کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع قواریر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی کتنی لطیف تشبیہ دی ہے اور کتنے خوبصورت انداز میں ان کے ساتھ رعایت برتنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سے تعلیمات میں عورت اور مرد دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو حقوق عورت کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ ٹھیک وہی حقوق مردوں کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ۔** (آل عمران:۱۹۵) ''اللہ تعالیٰ نے

یہ بات طے کردی ہے کہ کوئی عمل والا جو عمل کرے گا، میں اس عمل کو ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو۔''

مندرجہ بالا آیت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمل کے اعتبار سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔ جو بھی عمل کی سوغات لے کر جائے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے شرف قبولیت دیا جائے گا اور مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں جتنے احکام بیان ہوئے ہیں ان تمام میں مردوں کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ زبان میں مردوں ہی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور اسکا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کے چند مقامات ایسے ہیں جہاں قرآن بہت زیادہ زور دینا چاہتا ہے، وہاں اس نے خاص طور سے مردوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی تذکرہ صراحت سے کیا ہے، ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے۔ اس سے زیادہ واضح ایک آیت ہے جو سورہ احزاب میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے اوصاف بیان کئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے کیسے ہوتے ہیں جب وہ عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھرپور بدلہ دیتا ہے۔ اس آیت میں اللہ کے نیک بندوں کی دس صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں مردوں کا بھی تذکرہ ہے اور عورتوں کا بھی تذکرہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب:۳۵)

''اسلام والے، ایمان والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے، سچ بولنے والے، صبر کرنے والے۔ خشوع اختیار کرنے والے، صدقہ و خیرات کرنے والے، روزہ رکھنے والے، شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور اللہ کو یاد کرنے والے، یہ چاہے مرد ہوں یا عورت، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ کررکھا ہے۔''

ہم سب جانتے ہیں کہ عورت کی چار حیثیتیں ہوتی ہیں: عورت بہ حیثیت بیٹی، عورت بہ حیثیت ماں، عورت بہ حیثیت بہن اور عورت بہ حیثیت بیوی۔ چاروں کے بارے میں قرآن نے ان کے الگ الگ حقوق بیان کئے ہیں، ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کی فضیلت بیان کی ہے۔

عورت بہ حیثیت بیٹی یا بہ حیثیت بہن

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں فرمایا: ''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں، وہ ان کو پالے پوسے، کھلائے پلائے۔ ان کو ادب سکھائے، علم سے نوازے۔ جب وہ بڑی ہوجائیں تو ان کی شادی کردے تو اس کے لئے جنت ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کسی کے پاس دو ہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ صحابی خاموش ہوگئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہوگئے۔ بعد میں ان صحابی سے ان کے شاگرد نے پوچھا: اگر کسی کے پاس ایک لڑکی ہو تو؟ صحابی بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز ایسا تھا کہ اگر میں ایک لڑکی کے بارے میں پوچھتا تو آپ اس کے بارے میں بھی یہی بات فرماتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے یہاں لڑکی ہوئی، اس کی اس نے پرورش کی اور لڑکوں کو اس پر ترجیح نہیں دی، اس کے لئے جنت ہے۔ بعض احادیث میں اس طرح کی صراحت بہنوں کے لئے بھی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کی تین بہنیں ہوں، وہ ان کی پرورش

کرے، ان کو ادب سے نوازے، ان کی شادی کردے، اس کے لئے جنت ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ ایک ہی ہو اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ الگ موقع کی ہو۔ کسی موقع پر اللہ کے رسول نے بیٹی کے بارے میں فرمایا ہے اور کسی موقع پر بہن کے بارے میں۔ ظاہر ہے کہ جب باپ کا انتقال ہوگیا ہو تو بھائی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بہنوں کی کفالت کرے۔

عورت بہ حیثیت ماں

اسلام نے ماں کو جو مقام دیا ہے اس کا دنیا کے کسی مذہب اور کسی تہذیب میں کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ (اسرائیل: ۲۳) ''اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچے اور وہ تمہارے پاس رہیں تو تم اُف بھی نہ کرو، نہ ان کو جھڑکو اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور نرمی اور خوش دلی کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میرے ساتھ رحم کا معاملہ کیا۔''

احادیث میں بھی والدین کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک صحابی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ میرے حسنِ سلوک کا سب سے اچھا مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہاری ماں۔ وہ صحابی کہتے ہیں: اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمہاری ماں۔ وہ صحابی پھر سے پوچھتے ہیں: اس کے بعد کون؟ آپؐ پھر وہی جواب دہراتے ہیں: تیری ماں۔ چوتھی مرتبہ پھر وہ صحابی یہی سوال دہراتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تیرا باپ۔'' ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان کیا۔ ایک صحابی آتے ہیں اور وہ بھی اس نیک کام میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سوال کرتے ہیں۔ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ وہ کہتے ہیں: ہاں، میری ماں زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جاؤ اور ان کی خدمت کرو۔ اللہ کے رسول نے جہاد جیسے عظیم الشان عمل سے، جس کی قرآن و حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، ماں کی خدمت کو افضل بتایا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے والدین مجھے روکتے رہے، ان کو میری ضرورت ہے، اس کے باوجود میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لئے آ گیا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ، جس طرح ان کو رلا کر آئے ہو، اسی طرح ان کو ہنساؤ۔

عورت بہ حیثیت بیوی

اسلام میں بیوی کے بھی بہت سے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ جو حقوق مردوں کے بیان کئے گئے ہیں ٹھیک ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی بیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (البقرۃ:۲۲۸) ''عورتوں کے لئے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

یہ قرآن کریم کا اعجاز بیان ہے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کہہ دیتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کے حقوق بیان کئے ہیں اور ان کے فرائض بھی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح اس میں عورتوں کے حقوق اور ان کے فرائض بھی بیان کردیئے گئے ہیں۔ گویا

اس میں کہا گیا ہے کہ مردوں کے حقوق عورتوں کے فرائض ہیں اور عورتوں کے حقوق مردوں کے فرائض ہیں۔ البتہ ساتھ ہی یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ مردوں کے یک گونہ عورتوں پر فیضلت حاصل ہے۔ اس میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورتوں پر حکمراں ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ عورتیں مردوں کی تابعدار نہیں سسٹم میں کوئی ایک سربراہ ہوتا ہے۔ نظام خاندان سربراہ مرد بھی ہوسکتا تھا اور عورت بھی۔ اسلام نے خاندان کی سربراہی مرد کو عطا کی ہے۔ ایک کمپنی کو اچھی طرح سے چلانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی سربراہ ہو۔ مختلف اسباب سے کمپنی کا کوئی سربراہ بنایا جاتا ہے اور کمپنی کے تمام ملازمین کو اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ اس کا حکم بجالائیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ تمام لوگوں کو اس سے کم تر حقوق دیئے گئے ہیں۔ یہ صرف ایک نظامی سہولت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح نظام خاندان کو چلانے کے لئے اسلام نے مرد کو اختیارات دیئے ہیں۔ اصلاً غلط فہمی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ بہت سے لوگوں نے ''قوام'' کا ترجمہ ''حکمراں'' کیا ہے۔ یہ ایک غلطی ہے۔ قوام کے معنی حکمراں ہیں ہی نہیں۔ قوام کے اصل معنی ہیں ''منتظم'' کسی ادارے کو چلانے والا، مصارف پورے کرنے والا، خرچ چلانے والا۔ اس طرح مرد کو جو خصوصی اختیار دیا گیا ہے، اس کا مطلب عورت کی حق تلفی نہیں ہے، بلکہ محض انتظامی ضرورت سے مرد کو تھوڑی سی فضیلت دی گئی ہے، ورنہ ازدواجی زندگی میں عورت کے جو حقوق بیان کئے ہیں، وہ بے مثال ہیں۔

خاندان کا وجود نکاح سے ہوتا ہے۔ نکاح میں عورت کی مرضی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی نکاح لڑکی کی اجازت اور مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا، حتی کہ لڑکی کے والدین کو بھی اس پر اپنی مرضی تھوپنے کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک لڑکی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ طے کردیا ہے، جب کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو یہ رشتہ منظور نہیں تو تمہارا نکاح نہیں ہوسکتا۔ وہ لڑکی فوراً بول پڑی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اسلام میں عورتوں کو کیا حقوق دیئے گئے ہیں۔

○■○

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی ہندی پستکیں

کتاب کا نام	لیکھک	مولیہ
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुजूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

صبر ایوبی سے حاصل موعظت وعبرت کے پہلو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ ص میں چند پیغمبروں کے اوصاف و کمالات اور خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور اخیر میں یہ فرمایا کہ وہ سب ہاتھ والے اور آنکھ والے تھے یعنی ان کو جسمانی قوت اور ذہنی بصیرت اعلی درجہ میں حاصل تھی وہ معرفت اور عملی صلاحیت کے اعلی مقام پر فائز تھے۔ ان پیغمبروں میں سے ایک حضرت ایوب علیہ السلام بھی ہیں جن کا خصوصیت کے ساتھ اس سورہ میں تذکرہ کیا گیا ہے نیز ان کے صبر وشکر تحمل و برداشت اور خدا کی مرضی امتحان اور حکم و فیصلہ پر سو فیصد آمنا وصدقنا کہنے کی مثال قرآن نے پیش کیا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے برگزیدہ لوگوں میں تھے اللہ تعالی نے آپ کو رسالت سے سرفراز کیا۔ آپ کا زمانہ مورخین کی تحقیق کے مطابق نویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ آپ کو اللہ نے کافی مال و دولت سے نوازا تھا۔ مگر آپ مال و دولت میں گم ہوجانے کے بجائے خدا کی عبادت کرتے۔ ذکر واذکار اور تسبیح واوراد میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے خیر کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے۔ کچھ کم فہم اور غلط قسم کے لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ایوب کو جب اس قدر مال و دولت حاصل ہے، اسباب و وسائل کی زیادتی ہے اور خوشحالی اور فارغ البالی حاصل ہے تو وہ دیندار اور پرہیز گار نہیں بنیں گے تو اور کیا کریں گے۔ اللہ تعالی نے لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت ایوب کو مفلس اور نادار بنادیا مگر وہ حسب سابق اور بدستور اللہ کی عبادت کرتے رہے اور ان کی زندگی میں پہلے کے مقابلے میں کوئی فرق نہیں آیا اور زبان پر یہ جملہ آیا اور انہوں نے کہا اللہ تعالی نے ہی دیا اور اس نے ہی یہ مال و دولت واپس لیا بس اللہ تعالی کا نام بلند اور مبارک ہو۔ شریر اور بدخصلت لوگ اس پر بھی چپ اور خاموش نہ رہے۔ بلکہ آگے یہ کہنا شروع کردیا کہ اصل امتحان اور آزمائش تو یہ ہے کہ وہ جسمانی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہوں اور پھر صبر وشکر پر قائم رہیں۔ اللہ تعالی نے لوگوں کو یہ نمونہ اور مثال بھی دکھایا۔ حضرت ایوب کو سخت جلدی بیماری لاحق ہوئی اور ان کے جسم پر پھوڑے ہوگئے۔ مگر بدستور صبر وشکر کی تصویر بنے رہے۔ جب لوگوں پر حجت تمام ہوگئی تو اللہ تعالی نے حضرت ایوب کے لئے ایک چشمہ جاری کیا جس میں نہانے سے ان کا جسم بالکل تندرست اور ٹھیک ہوگیا اور مال و دولت بھی دوبارہ پہلے سے اضافہ کے ساتھ عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی صبر آزمائش اور امتحان سے یہ سبق اور پیغام ملا کہ خدا جب اپنے دین کے لئے کسی کو استعمال کرتا ہے اور وہ شخص بغیر کسی تحفظ کے اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کردیتا ہے تو اللہ تعالی اس کو دوبارہ پہلے زیادہ نواز دیتا ہے جتنا ماضی میں امتحانا اس سے چھین لیا تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ میں صبر وضبط استقلال و استقامت اور مصائب ومشکلات میں شکر و سپاس گزاری کے اتنے اسرار اور حکمتیں ہیں جو اہل بصیرت کے لئے سراپا درس عبرت ہیں، عبرت و بصائر کے چند پہلو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ بندگان خدا میں سے جس کو اللہ تعالی کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ

مصائب و مشکلات کی بھٹی میں زیادہ تپایا جاتا ہے اور جب وہ ان کے پیش آنے پر صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو وہی مصائب و مشکلات اور آزمائش و امتحان عند اللہ اس کے درجات کی بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصائب میں سب زیادہ سخت امتحان انبیاء کرام علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد صلحاء کا نمبر ہے اور پھر حسب مراتب و درجات۔ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہو گا۔ انسان کو چاہیے کہ کسی حالت میں خدا تعالی کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ قنوطیت کفر کا شیوہ ہے اور یہ سمجھے کہ مصیبت و بلا گناہوں کی پاداش ہی میں وجود پذیر ہوتی ہیں بلکہ بسا اوقات آزمائش اور امتحان بن کر آتی اور صابر و شاکر کے لئے اللہ تعالی کی آغوش رحمت وا کرتی ہیں۔ عیش و عشرت اور آرام میں تواضع و شکر اور رنج و غم میں ضبط و صبر دو ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ جس شخص کو یہ نصیب ہو جائے وہ دین و دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام امتحان و آزمائش کے دنوں میں سراپا صبر بنے رہے اور کسی طرح تنگی اور شکوہ زبان پر آنے نہیں دیا یہی انبیاء کرام اور اہل اللہ اور خاصان خدا کی خصوصیت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے ایام میں کسی بات پر قسم کھالی تھی کہ اچھے ہو گئے تو اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ (اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس پاک بیوی نے حضرت ایوب کی انتہائی تکلیف سے بے چین ہو کر کچھ ایسے کلمات کہہ دئے تھے جو صبر ایوبی کو ٹھیس پہنچانے والے اور خدائے واحد کی جناب میں شکوہ کا پہلو لئے ہوئے تھے ایوب علیہ السلام اس کو برداشت نہیں کر سکے اور قسم کھا کر فرمایا میں تجھ کو سو کوڑے ماروں گا) جب حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی مدت ختم ہو گئی اور وہ صحت یاب ہوئے تو قسم پوری کرنے کا سوال آیا۔ ایک جانب غمگسار بیوی کی انتہائی وفاداری غمخواری اور حسن خدمت کا معاملہ اور دوسری طرف قسم کو پورا کرنے کا سوال۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کو پورا کرنے اور نیک بیوی کی نیکی اور شوہر کے ساتھ وفاداری کا یہ صلہ دیا اور اس کی یہ تدبیر انہیں بتائی کہ ایک جھاڑو لو جس میں ایک سو سینکیں ہو اور اس سے ہلکے طور پر اپنی بیوی کو مار دو۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ مخصوص حالات میں بدرجہ مجبوری حیلہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کسی حکم شرعی کو باطل نہ کرتا ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش و امتحان اور ہر قسم کی بربادی کے بعد ان کے سارے ساتھی اور تعلق والے ایک ایک کر کے آپ سے الگ ہو گئے اور کوئی ہمدرد و غمگسار نہ رہا صرف آپ کی نیک اور باوفا بیوی آپ کی تیمارداری میں شریک رہتی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی وفادار اور اطاعت شعار بیوی کے اس قرآنی واقعہ سے یہ پیغام ملا کہ میاں بیوی کے تعلقات میں وفاداری اور استقامت سب سے زیادہ محبوب شئی ہے اور اسی لئے ایک حدیث میں شیطانی وساوس میں سب سے زیادہ قبیح وسوسہ جو شیطان کو بہت پیارا ہے میاں بیوی کے درمیان بدگمانی اور بغض و عداوت کا بیج بو دینا ہے اسی لئے صحیح احادیث میں اس عورت کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے شوہر کے حق میں نکوکار اور وفادار ثابت ہو اور اس وفا اور محبت کی قدر و قیمت اس وقت بہت زیادہ ہو جاتی ہے جب شوہر مصائب و مشکلات اور آلام و حوادث میں گرفتار ہو اور اس کے اعزہ و اقرباء تک اس سے دوری بنا چکے ہوں اور کنارہ کش ہو چکے ہوں۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی وفا شعار بیوی نے ایوب علیہ السلام کے زمانہ مصیبت میں حسن وفا اطاعت و تسلیم ہمدردی اور غمخواری کا ثبوت دیا تو اللہ تعالی نے اس کے احترام اور عوض میں ایوب علیہ السلام کی قسم کو ان کے حق میں پورا کرنے کے لئے عام احکام قسم سے جدا ایک ایسا حکم دیا جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس نیک بیوی کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (مستفاد از قصص القرآن)

○○○